فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

محرم الحرام ۱۴۰۵ھ تا ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ — اکتوبر ۱۹۸۴ء تا ستمبر ۱۹۸۵ء

جلد بیستم ۲۰

مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوالی جائے (سمیع الحق)

نقش آغاز — (سمیع الحق)

قرآنیات

سیرت طیبہ

دعوات عبدیت حق — شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

اسلامی قوانین فقہ، اسلامی نظام حکومت و آئین، تمدن و معاشرت

معاشیات

پارلیمنٹ میں اسلام کا معرکہ

اصلاح و ارشاد

مغربی تہذیب، اسلامی تمدّن، اسلام اور مغربی دنیا

تعلیم وتربیت۔ نصاب ونظامِ تعلیم۔ تعلیمی ادارے

قادیانیت، انکارِ حدیث، شیعیت و دیگر فرقِ باطلہ

شخصیات (سوانح)

عالم اسلام (سیر و سیاحت سفرنامے) تاریخ

افکار و اخبار

تعارف وتبصرہ کتب

دارالعلوم کے شب و روز

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

فون نمبر رہائش	۲	جلد نمبر	۲۰
دارالعلوم	۴	شمارہ نمبر	۱۲
الحق	۴۰	ذی الحجہ	۱۴۰۵ھ
سب آفس راولپنڈی۔ ۶۶۲۴۶		ستمبر	۱۹۸۵ء

مدیر
سمیع الحق

اس شمارہ میں

بدلِ اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۴۰/- روپے ـــــــ فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک چھ پونڈ ـــــــ ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

قیامِ پاکستان کی اساس
اسلام سے مسلسل غداری

قومی اسمبلی میں آٹھویں ترمیمی بل پر ۹/ اکتوبر ۸۵ء شام ساڑھے چھ بجے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حسب ذیل خطاب کیا جسے مولانا حافظ انوار الحق نے قلم بند کیا (ادارہ)

گذارش ہے کہ جیسے آپ کو معلوم ہے میں کمزور ہوں کھڑے ہو کر نہیں بول سکتا۔

سپیکر۔ ہاں ٹھیک ہے آپ بیٹھ کر تقریر کریں۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ جناب سپیکر و معزز اراکین آئین کے اندر آٹھویں ترمیم کا بل زیر بحث ہے۔ اس ترمیم پر معزز اراکین نے پر مغز اور معنی خیز تقاریر کر کے اس ترمیم کی ظاہری خوبیاں اور برائیاں مختلف اوقات میں بیان کیں۔ خدا کا فضل و کرم ہے کہ جس قدر اراکین اسمبلی ہیں ان میں معزز علماء، وکلاء و سیاستدان و دیگر کمالات کے جامع لوگ اس ایوان میں موجود ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ مجھے نہ محاذ آرائی کرنی ہے اور نہ مخالفت برائے مخالفت بلکہ میرا مقصد ایک اہم مسئلہ کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلانی ہے۔ وہ یہ کہ ان ترامیم یا آئین میں بہت دفعات ہیں لیکن میں اس ایک دفعہ کے متعلق جس کا تعلق نفاذِ شریعت سے ہے کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

قیام پاکستان کا نعرہ قریباً ۴۰، ۴۵ سال قبل جب شروع ہوا اس وقت راہنمایان و مقتدیان قوم نے اپنے ہر اجلاس و اجتماع میں تحریک پاکستان کا مقصد لا الٰہ الا اللہ قوم کو بتایا۔ عوام یہ سمجھ کر کہ ہمارے لئے ایسے ملک کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ جس میں اللہ کی حکومت نافذ رہے گی۔ خدا کے دیئے گئے اختیارات چلائے جائیں گے۔

تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ جن لوگوں نے خدائی حکومت میں خدا کے دیئے ہوئے نظام کو جاری رکھا ان لوگوں کے افعال و اقوال و برکات اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب کہلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ امیر مملکت اسلامی ہیں حکومت خداوندی کے ایک بہت بڑے خطہ کے بادشاہ و امیر المومنین ہیں۔ اس کے گھر والی نے ایک دن

عرض کیا کہ دل چاہتا ہے کہ ایک دن کوئی میٹھی چیز کھانے کو ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ مجھے بیت المال سے جو روزینہ ملتا ہے (مثلاً اس زمانے کے آٹھ آنے) اس میں میٹھی چیز تیار نہیں ہو سکتی۔ چند دن بعد بیوی نے میٹھی چیز کھانے میں پیش کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ یہ چیز کہاں سے ملی۔ بیوی نے عرض کیا کہ آپ کو جو روزینہ ملتا ہے اس سے کچھ حصہ مثلاً ایک ایک پیسہ جمع کرتی رہی جس سے یہ میٹھی چیز تیار ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود بیت المال کے خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ میرے روزینہ سے وہ زیادہ حصہ کاٹ دیا جائے جس سے واجبی کھانے وغیرہ کے علاوہ زیادہ چیز تیار کی گئی تھی۔ آپ اندازہ لگائیں کہ خدائی حکومت میں امیر المومنین کتنی احتیاط کا مظاہرہ فرماتے تھے اور یہی حالت ہمارے عوام کی بھی تھی۔ کہ تحریک پاکستان کے نعرہ کے وقت یہ تصور کیا ہمارے امراء و برسر اقتدار طبقہ بھی اپنے خوش لباسی و عیاشی کو چھوڑ کر اسی نقش قدم پر چلیں گے۔

اسلامی حکومت کی ایک اور مثال کہ حضرت عمرؓ ساری ساری رات گلیوں اور جنگلوں میں پھرا کرتے تھے کہ کہیں کسی غریب کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسی دوران ایک رات جنگل میں ایک بدو کے خیمہ سے کراہنے کی آواز سنی حضرت عمرؓ نے آواز دے کر بلایا۔ کراہنے کی وجہ پوچھی اس نے بتایا کہ بیوی وضع حمل کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کوئی نرس وغیرہ ہے۔ بدو نے کہا کہ ہم غریبوں کے پاس نرس کہاں سے آئے۔

حضرت عمرؓ فوراً گھر گئے۔ آدھی رات کا وقت ہے۔ اپنی بیوی ام کلثوم کے پاس گئے جو سردار انبیاء کی نواسی، حضرت علی و حضرت فاطمہ کی بیٹی ہے۔ بادشاہ وقت کی بیوی گویا ملکہ ہے۔ کوئی ایسی ویسی عورت بھی نہیں ماجرا سنا کر اس کو اس بدو کی بیوی کی خدمت کے لئے جا رہے ہیں۔

حضرت ام کلثوم خدمت کرنے لگی حضرت عمرؓ اور بدو خیمہ سے باہر بات چیت کرنے میں مصروف ہیں۔ اتنے میں اندر سے ام کلثوم نے آواز دی۔ امیر المومنین مبارک ہو آپ کا بھتیجا پیدا ہوا ہے۔ بدو جو کہ ابھی تک امیر المومنین کو پہچانتا نہیں تھا۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر کپکپانے لگا، ڈرنے لگا۔ کہ یہ کیا ہوا امیر المومنین کو اتنی تکلیف دی امیر المومنین نے اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ گھبرایئے مت یہ میرا اسلامی فریضہ تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں جو کہ انصاف و عدل کا ایک تاریخی دور تھا۔ ایک چرواہا جنگل میں رونے لگا لوگوں نے وجہ پوچھی کہ آخر تم کو کیا ہوا کہ رو رہے ہو اس نے کہا کہ ہمارا نوجوان امیر یعنی عمر بن عبدالعزیز انتقال کر گئے لوگوں نے کہا کیا تمہارا دماغ خراب ہوا تمہیں کیسے معلوم ہوا نہ فون ہے اور نہ اور کوئی ذریعہ سے تمہیں اطلاع ملی ہے اس نے جواب میں کہا۔ کہ میں ایک چرواہا ہوں۔ جانور چرا رہا ہوں اور عمرؒ کے دو سال کے اقتدار کے دوران جنگل میں بکریاں شیر چیتا وغیرہ ایک جگہ پھرتے رہتے کسی ایک نے دوسرے کو نہ پھاڑا، نہ چھیڑا اور نہ حملہ کیا۔ لیکن آج ایک شیر نے میری بکری پر حملہ کر کے مار ڈالا۔ جس سے میں سمجھ گیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے برکت و انصاف کا دور ختم ہو گیا

انصاف اٹھ گیا ظلم نے پھر سر اٹھایا۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خدائی حکومت کی برکات اتنی ہوتی ہیں کہ پھر خدا کی قسم نہ فوج کی ضرورت پڑتی ہے نہ پولیس کی۔ اور نہ کسی حفاظتی اداروں کی جب راس الحکمۃ مخافۃ اللہ کے مطابق اللہ کا خوف دل میں آجائے سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں ہم جو چیز بازار سے خریدتے تھے کبھی یہ خوف نہ ہوتا کہ دکاندار کبھی کم چیز ہمیں دے گا۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو یقین تھا کہ وہ کمی وہ دکاندار خود پوری کر کے گھر پہنچا دے گا۔

ہمارے عوام نے بھی لا الہ کا نعرہ سن کر جو خدائی حکومت کا نعرہ تھا اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں نکلے۔ پاکستان کے لئے قربانیاں دیں سعی شروع کی۔

پوائنٹ آف آرڈر۔ نصرت علی شاہ۔ ابھی مولانا نے ذکر فرمایا۔ نہایت ادب و احترام سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عمر کی شادی حضرت ام کلثوم سے ہوئی تھی یہ درست نہیں اتنی کم سنی۔

مولانا عبدالحق۔ قرآن کے بعد اصح الکتب بخاری میں حدیث ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر کی بیوی تھی۔

شاہ تراب الحق۔ ہم کسی کو اپنا مسلک چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتے۔ مگر یہاں تک ام کلثوم کے حضرت عمرؓ کی بیوی ہونے کے رشتہ کا تعلق ہے جیسے مولانا نے فرمایا ہے بالکل ٹھیک ہے۔ امام نسائی نے نسائی میں دو جنازوں کے ایک ساتھ پڑھنے کے سلسلوں میں ایک باب باندھا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر کی بیوی ہے۔

نصرت علی شاہ۔ کیا مولانا فرمائیں گے کہ اس وقت حضرت ام کلثوم کی عمر کیا تھی؟

سپیکر۔ مولانا اس تنازعہ بحث کو چھوڑ دیں۔

اچھا تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے عوام نے اسلام کا نعرہ سنا۔ خوشی سے اپنی تمام چیزوں و جائیدادوں کو چھوڑا کہ اسلام کے زیر اثر زندگی گذاریں گے۔ اس قربانی و جذبہ کی خاطر اب بھی کروڑوں مسلمان ہندوؤں کے یرغمالی ہیں۔ لاکھوں مہاجرین کر یہاں آئے ہزاروں شہید ہوئے۔ ماؤں بیٹیوں کی عصمت دری ہوئی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہندوستان و ببرک کارمل اور روس مسلمانوں اور پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ تحریک پاکستان کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ حالاں کہ ہمارے عوام نے یہ سب کچھ اسلام کی بالادستی کے لئے برداشت کیا اور اب بھی عوام اور ہماری جان و مال اسلامی نظام و پاکستان کی بقاء کے راستے میں قربانی کے لئے حاضر ہے۔

اب ہم سوچیں کہ کیا یہ قربانیاں چند کرسیوں کے لئے تھیں کہ ہم کو صرف کرسی ملے، اقتدار ملے۔ نہیں اس لئے پاکستان نہیں بنایا تھا۔ ۴۷ء سے ۵۶ء تا ۵۸ تک قریباً دس برس اسی کرسی سے اتارنے چڑھانے میں گذر گئے۔ چاہئے تھا کہ پاکستان بنتے ہی لا الہ الا اللہ کا وعدہ پورا کرتے لیکن اس کی بجائے کرسیوں کے چکر میں رہے فلاں کہتا کہ میری اکثریت دوسرا کہتا میری اکثریت۔ اب آپ کو معلوم ہے کہ ۷۰ء میں وہ مشرقی پاکستان جو تحریک پاکستان میں سب سے آگے تھا وہ

صرف اسلامی نظام کے جذبہ سے حصہ لے رہا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ کرسیوں کی جنگ ہے اسلام کے لئے کچھ ہونا ممکن نہیں تو سوچا کہ اب متحد رہنے کا نہیں فائدہ۔ چنانچہ تسبیح کا ہار ٹوٹنے سے جیسے سارے دانے بکھر جاتے ہیں ہم سے اتحاد ختم کر کے الگ حکومت بنا دی۔ جب اسلام کا دعویٰ تھا ایک تھے جب وہ نہ رہا انہوں نے ہم سے الگ ہو کر اپنے لئے بنگلہ دیش بنا دیا۔ اس کے بعد پھر نظام مصطفےٰ کا اعلان ہوا۔ تحریک چلی، لوگوں نے جیل کاٹے شہید ہوئے یہاں تک کہ ہمارے موجودہ برسر اقتدار لوگوں نے نظام مصطفےٰ کا اعلان کیا۔ معاملہ مجلس شوریٰ تک آیا اعلانات ہوئے قانون شفعہ، شہادت قانون عدل و انصاف کے مژدے سنائے گئے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ حکومت نے کوئی اطمینان بخش کام قوم کو نہ دیا۔

> پھر اسلام کے نام پر ریفرنڈم و الیکشن ہوا کامیابیاں ہوئیں اس چھ مہینے میں ہم نے کونسی ایسی چیز قوم کو اسلام کے لئے پیش کی جس سے قوم کو اطمینان دلا سکیں؟

بہرتقدیر یہ کچھ طمع تو تھی کل پرسوں ترمیمی اسلام کے لئے ہو جائے گا۔ چنانچہ اب ترمیموں کا مسئلہ شروع ہوا ہم سمجھ رہے تھے اسلام کی بالادستی کا ترمیم آئے گا جب کہ دفعہ ۲۰۳ سی میں پابندیاں لگا دی گئیں کئی مستثنیات ہیں پرسنل لا، مالی امور اور دستوری مسائل کو شریعت کورٹ میں چیلنج کرنے سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ ۴۰، ۵۰ سال سے اسلام کا جو نام لیا جا رہا تھا اس کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہیں۔ شریعت پر ہم نے پابندی لگا دی۔ خدا کے سامنے ہم کیا جواب دیں گے۔

ترمیم میں جو شقوق شریعت کے موافق ہیں اس کو مانیں گے جو خلاف شرع ہیں ہم اس کا برملا انکار کریں گے۔ ہم سے روز محشر خدا پوچھے گا کہ تم نے اسلام کے نام پر ریفرنڈم کیا۔ اسلام کے نام پر الیکشن ہوا مگر تم نے اسلام کے لئے کیا کیا۔

سپیکر۔ جناب ختم کر دیں۔

مولانا: اچھا شکریہ

نوٹ:۔ مدیر الحق سفر پر رہے اس لئے نقش آغاز میں حضرت مدظلہ کی تقریر شامل کی گئی ہے۔

پارلیمنٹ کے شریعت محاذ کی سرگرمیاں

خطاب اور قرارداد اور وزیر اعظم سے ملاقات

۲۳ ستمبر ۸۵ء کو شریعت محاذ گروپ کا ایک ہنگامی اجلاس شام ۴ بجے محاذ کے کنوینر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے کمرہ نمبر ۳ واقع گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ حضرت مدظلہ نے صدارت کی۔ حضرت نے افتتاحی مختصر خطاب میں فرمایا :-

خطاب | نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ معزز ساتھیو! آج آپ کو ایک درپیش اہم مسئلہ کے بارہ میں تکلیف دی گئی ہے۔ آپ سب مجھ سے زیادہ اصحاب فہم و فراست ہیں۔ اور اس مسئلہ کی خرابیوں و نقصانات سے آگاہ ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے گروپ کے تشکیل کا مقصد ہی نفاذ شریعت کی بالادستی ہے۔ اس لئے ہر گروپ کے اکثر حضرات خواہ ان کے اور نظریات جیسے بھی ہوں اسلامی نظام کے لئے ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں ہمیں بھی چاہئے کہ ہم نفاذ شریعت کے بارہ میں اپنی سرگرمیوں کو اسمبلی کے اندر اور باہر تیز کر دیں۔ ہمارا مقصد نہ کسی کو نیچا دکھانا اور نہ کسی کی تذلیل و توہین ہے۔ اور نہ کسی سے ذاتی مخاصمت اور لڑائی ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف اور صرف اس ملک میں جس نظریے کے لئے حاصل کیا گیا تھا یعنی اسلام اس کی صحیح معنوں میں نفاذ اور بالادستی ہے۔ اس سلسلہ میں نہ ہم کسی کے دباؤ میں آئیں گے اور نہ کسی لومۃ لائم کی پرواہ کریں گے۔

اس موجودہ درپیش مسئلہ میں آپ حضرات غور و فکر فرما کر تجاویز پیش فرمائیں اور کسی اتفاقی قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ اس آٹھویں بل سے ان غیر اسلامی دفعات کو خارج کیا جائے۔

اس کے بعد پھر ارکان کے درمیان مذکورہ ترمیم پر بحث و تمحیص کے بعد ایک متفقہ قرارداد تیار کر کے تمام ارکان اسمبلی میں تقسیم کر دی گئی۔ جس کا متن حسب ذیل ہے :-

قرارداد | اسلام آباد ۲۳ ستمبر، پارلیمانی شریعت محاذ کا ایک ہنگامی اجلاس آج بعد دوپہر ایم این اے ہوسٹل میں رکن قومی اسمبلی اور کنوینر شریعت محاذ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کے علاوہ سینیٹر قاضی حسین احمد۔ اور ارکان اسمبلی حاجی سیف اللہ۔ مولانا معین الدین لکھوی۔ ڈاکٹر شیر افگن خان۔ مولانا وصی مظہر ندوی۔ محمد عثمان رمز۔ مولانا گوہر رحمان۔ سید اسعد گیلانی۔ مولانا محمد عنایت الرحمن۔ مظفر ہاشمی۔ صاحبزادہ فتح اللہ۔ حاجی مفضل رازق۔ اور مولانا عبدالحق بلوچ وغیرہ نے شرکت کی۔ اجلاس نے ایک متفقہ قرارداد منظور کی جس کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی دفعہ ۲۰۳ (بی) کے ذیلی سیکشن (سی) میں ترمیم کر کے وفاقی شرعی عدالت کو دستور، مسلم پرسنل لاء، قانونی طریق کار اور مالیاتی قوانین سمیت ہر قسم کے قوانین کا قرآن و سنت کی

روشنی میں جائزہ لینے اولاد کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔ پارلیمانی شریعت محاذ نے پارلیمنٹ کے تمام ارکان سے اس سلسلہ میں تعاون کی اپیل کی ہے۔ متفقہ طور پر منظور کردہ قرارداد کا متن درج ذیل ہے۔

”حکومت، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے مارشل لاء انتظامیہ کے تمام قوانین وضوابط، احکام وفرامین اور فیصلوں کی غیر مشروط توثیق کا بل منظور کرانا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ غیر مشروط طور پر تسلیم تو صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہی کئے جا سکتے ہیں۔ کسی انسان یا انسانوں کے گروہ کے بنائے ہوئے قوانین کو غیر مشروط طور پر تسلیم نہیں جا سکتا۔ مارشل لاء انتظامیہ نے ۱۹۷۳ء کے دستور میں جو ترامیم کی ہیں ان میں ایک دفعہ ۲۰۳ ب (ج) ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسلم پرسنل لاء، مالی قوانین، عدلیہ کا طریق کار اور دستور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے۔ یہ دفعہ قرآن وسنت کی بالادستی اور شریعت کے احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ قرآن کریم میں شریعت کی بالادستی کو عملاً نافذ کرنے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد خداوندی ہے۔ ”شریعت کی پیروی کرتے رہو اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو نادان ہیں۔“ سورۃ النساء کی آیت ۶۵ میں آیا ہے کہ ”تیرے رب کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہیں جو ہر معاملے کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرانے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ سورۃ النساء آیت ۶۰، ۶۱ میں فرمایا گیا ہے۔ کہ منافقین دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں لیکن فیصلہ طاغوتی قانون پر کرانا چاہتے ہیں (یعنی غیر شرعی قانون پر) اور جب ان کو قرآن وسنت کے احکام کی طرف بلایا جاتا ہے تو پہلوتہی کرتے ہیں“

دفعہ ۲۰۳ بی اس قرارداد مقاصد کی بھی صریح خلاف ورزی ہے جو نہ صرف ہمارے تمام دساتیر کی بنیاد رہی ہے۔ بلکہ موجودہ حکومت نے اسے دستور کے متن اور قابل نفاذ حصہ میں شامل کیا ہے۔ اس قرارداد مقاصد میں یہ بات صراحت کے ساتھ درج ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اور عوام کے نمائندے اپنے اختیارات کو اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتے ہیں۔

امید ہے کہ معزز ارکان اس بل پر غور کرتے وقت مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھیں گے۔

وزیر اعظم سے ملاقات مورخہ ۸۵/۱۰/۸ کو حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ کنوینر قومی اسمبلی شریعت محاذ گروپ کے زیر قیادت ایک وفد نے وزیر اعظم پاکستان محمد خان جونیجو سے ان کے چیمبر میں ملاقات کی اور ان سے آٹھویں ترمیمی بل کی دفعہ ۲۰۳ کے غیر اسلامی شقوں کے بارہ میں گفتگو کی۔ نیز ان سے متفقہ مطالبہ کیا کہ ترمیمی بل سے اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری دفعہ کو خارج کیا جائے۔ اس وفد میں حضرت مدظلہ کے علاوہ جماعت اسلامی سے متعلق تمام ارکان اسمبلی، بریلوی مکتبہ فکر کے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری۔ مولانا رحمت اللہ جھنگ۔ محترم شاہ تراب الحق، ان کے دیگر ہم خیال ساتھیوں اور حکومتی گروپ کے محترم نثار محمد خان مشیر وزیر اعظم، بیگم کلثوم سیف اللہ، جناب میر نواز خان مروت اور دیگر کئی ارکان نے شرکت کی۔

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
لباس التقویٰ ذالک خیر

خطاب: سمیع الحق ضبط: عبدالقیوم حقانی
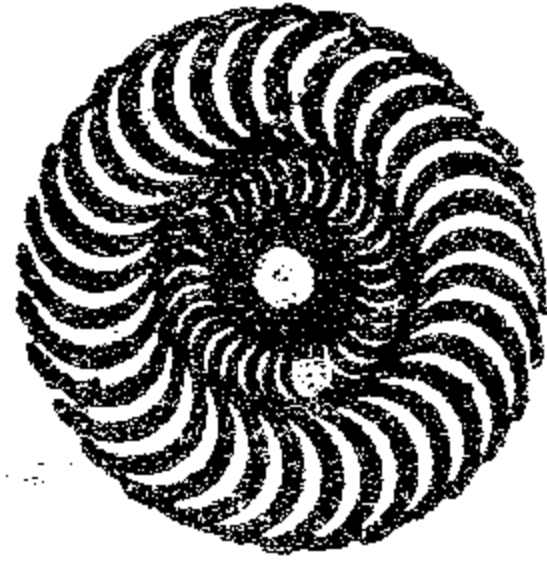
حقانی شہداء افغانستان، تاریخ اسلام کا روشن باب

مولانا احمد گل حقانی، مولانا فتح اللہ حقانی کی شہادت

تعزیتی اجتماع سے مولانا سمیع الحق کا خطاب

افغانستان میں پکتیا کے محاذ پر دارالعلوم حقانیہ کے جو فضلاء، روسی دشمن سے برسرپیکار ہیں اور اپنی بہادری شجاعت، ایثار اور قربانی میں قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ اور اپنے بے داغ کردار استقلال و استقامت پر پوری دنیا میں عالمی اشاعتی و نشریاتی اداروں سے زبردست خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ان میں سرِفہرست مولانا جلال الدین حقانی، مولانا احمد گل حقانی، مولانا فتح اللہ حقانی، مولانا ابراہیم حقانی کے اسماء گرامی بطور مثال لئے جاسکتے ہیں۔ اس محاذ کی اصل کمانڈ مولانا جلال الدین حقانی کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا محمد ابراہیم حقانی، مولانا احمد گل حقانی اور مولانا فتح اللہ حقانی اس کے نائبین، معتمد اور قریب ترین ساتھی ہیں۔ یہ سب دارالعلوم حقانیہ کے فاضل حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے قریب ترین تلامذہ اور خصوصی تعلق والے ہیں اور تعلیمی دور میں سات آٹھ سال تک دارالعلوم کے اساتذہ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے زیرتربیت زندگی کا ایک طویل عرصہ گذار چکے ہیں۔

گذشتہ جمعہ ۶ ستمبر ۸۵ء کو اس محاذ کے عظیم رہنما مولانا احمد گل حقانی اور ان کے ساتھ دارالعلوم کے دوسرے فضلاء اور رفقاء روس کے حالیہ ظالمانہ سفاکانہ اور سب سے بڑے حملے کے مقابلے میں استقامت، پامردی اور شجاعت سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اور اس جمعہ ۳ ستمبر کو اسی محاذ کے دوسرے کمانڈر دارالعلوم کے فاضل مولانا فتح اللہ (یہ ان کے جہاد کا نام ہے جبکہ اصل نام مولانا حبیب الرحمٰن ہے) محاذِ جنگ پر داد شجاعت دیتے اپنے رفقاء کے ساتھ اپنے خدا کے حضور جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ دونوں موقعوں پہ ہر دو حضرات کی شہادت کی اطلاع سے دارالعلوم میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔

دونوں مرتبہ مسجد دارالعلوم میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے جس میں طلبہ اور اساتذہ نے قرآن پڑھ کر شہداء کی روح کو ایصال ثواب کیا اور مجاہدین کی فتح و کامیابی کی دعائیں مانگیں۔ دونوں تقریبات میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے مختصر خطاب بھی فرمایا۔ جو احقر نے اسی وقت قلم بند کرلیا۔ اب یہی افادہ عام کے پیش نظر، نذرِقارئین ہے۔ (ع ق ح)

(۸ ستمبر۔ بعد از نماز عصر)

حضرات اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ۔ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم اور عنایت و توجہ ہے جس نے ہمیں اپنے

علوم ومعارف، قرآن وحدیث اور دینی مدارس سے وابستہ کردیا ہے اور آج ہم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جانیں قربان کردینے والے افغان مجاہدین و شہداء کے ایصال ثواب کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اور اللہ نے یہ احساس بخشا ہے ورنہ اب تو امت بہ مجموعی حیثیت سے بڑا زوال اور انحطاط کا دور آیا ہے۔ آج سے ساٹھ ستر سال قبل مسلمانوں کے ہنگامے، ان کے جلوس، ان کی ہڑتالیں، ان کی سیاست اور ان کی ہر قسم کی مساعی، مسلمانوں کی فلاح، ان سے ہمدردی ونصرت اور ان کا غم اور پریشانیوں کو دور کرنے کی غرض سے ہوا کرتے تھے۔

مشرق میں جنگ ہوتی تو مغرب کے مسلمان پریشان ہوجاتے اور اگر مغرب میں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی تو مشرق کے مسلمان اس کو اپنے دل میں محسوس کرتے۔ ترکی میں، بلقان میں، افریقہ میں، غرض جہاں کہیں مسلمانوں پر کوئی آفت آتی تو برصغیر میں حساس مسلمان، علماء، قائدین اور سیاست دان بے چین ہوجاتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مسلمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جسد واحد قرار دیا ہے اذا اشتکی بعضہ اشتکی کلہ، جب جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس سے سارا وجود درد محسوس کرتا ہے اگر آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کو سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ جسم کا ہر حصہ دوسرے سے مربوط اور خوشی ومسرت اور دکھ درد میں شریک ہے۔

مگر اب کے تیس چالیس سال سے میں بڑی تبدیلی محسوس کرتا ہوں آپ برصغیر کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تحریک خلافت ہو یا بلقان کی جنگ، ہمارے اسلاف، اکابر علماء دیوبند نے کتنا شاندار کردار ادا کیا۔ ترکی میں خلافت کے زوال کو پوری امت نے اپنا زوال محسوس کیا۔ اور برصغیر میں تحریک خلافت نے مسلمانوں میں ایک ہیجان اور اضطراب پیدا کردیا تھا۔ مسلمانوں نے دل کھول کر چندے دئے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مسلمان ان کی کامیابی کے لئے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑاتے۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو دیوبند کے کسی رئیس نے اپنی بیٹی نکاح میں دے دی۔ جب خلوت میں اپنی دلہن کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ سونے کے زیورات سے اٹی ہوئی ہے آپ نے نئی نویلی دلہن پر توجہ کئے بغیر اسی کمرہ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئے اور نماز پڑھتے رہے فارغ ہوئے تو بیوی کے قریب ہوکر اسے یوں تقریر کی۔ کہ دیکھو! تم ایک امیر اور رئیس کی صاحبزادی ہو۔ اور میں فقیر و غریب اور ایک مسکین انسان ہوں۔ نکاح کے بعد اب تمہارا اور میرا ایک ساتھ جینا ہوگیا ہے۔ ہمارا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے مگر یہ نبھاؤ بظاہر مشکل ہوگا کہ تو امیر ہے اور امیر کی بیٹی ہے۔ میں فقیر ہوں اور فقر کو پسند کرتا ہوں ہمارا گذارا تب بہتر ہوسکے گا۔ جب دونوں ایک ہوجائیں یا میں امیر بن جاؤں یا تو فقر اختیار کرلے جہاں تک میری امارت اور دنیا پسندی کا تعلق ہے وہ تو ناممکن ہے۔ البتہ آپ کو فقر و مسکنت کی راہ اختیار کرنا آسان ہے۔

اب آپ جونسی راہ اختیار کریں گی مستقبل کے لحاظ سے ہمارے تعلق کا اس پہ نتیجہ مرتب ہو گا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی تو فقر اور زہد اور ورع و تقویٰ کے پہاڑ تھے۔ بیوی نے ان کی تقریر سن کر بڑی خوشی سے کہہ دیا کہ میں فقر و غربت کی راہ اختیار کرتی ہوں اور میرے سارے زیورات وہ آپ کی ملکیت ہیں اور آپ کو اختیار ہے جہاں اور جیسے استعمال کریں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے اپنی دلہن سے تمام کے تمام زیورات اتار لیئے اور صبح بلقان کی جنگ میں مسلمانوں کی اعانت و نصرت کے لئے چندہ میں داخل کر دئے۔

آج ہمارے پہلو میں سرحد پر افغانستان کے مسلمانوں کی زبردست جنگ شروع ہے اور میرا شرح صدر ہے کہ تاریخ میں یہ جنگ بدر و حنین اور احد و احزاب کے مناظر پیش کرتی ہے۔ وہی معرکہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو پیش آیا تھا۔ وہاں تو صحابہؓ کے لئے ڈھارس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس موجود تھی، ان کے سامنے وحی کا نزول ہوتا تھا۔ مگر آج تو ۱۴۰۰ سال بعد پھر ایسا معرکہ کارزار گرم ہوا ہے کہ مجاہدین صحابہؓ کی طرح سر کو ہتھیلی میں رکھ کر میدان کارزار میں کود پڑے ہیں۔ یہ ان ہی کا زبردست اور مضبوط ایمان ہے کہ نہتے اور مٹھی بھر اور انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد ایک سپر پاور اور روس جیسے درندہ صفت فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

آج ہمارے قائدین، ہمارے علماء، ہمارے سیاستدان اور لیڈر ادھر سے غافل ہیں۔ ہماری سرحد پر ہمارے بھائی، ہمارے مسلمان، ہماری ملت کے محافظ، مجاہدین، مسلمانان افغانستان، خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں ان کی عزتیں لٹ رہی ہیں۔ ان کے بچے کٹ رہے ہیں ان کی عصمت دری کی جا رہی ہے۔ مگر یہ ہیں کہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ، کہ اللہ پاک نے دارالعلوم حقانیہ کو ہزارہا انعامات و سعادتوں سے نوازا ہے۔ مگر سب سے بڑی اور سب سے اہم سعادت یہ ہے کہ آج جہاد افغانستان میں دارالعلوم حقانیہ کا اسی فی صد حصہ ہے۔ اور یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے۔ ہر محاذ پر، ہر جماعت میں، ہر میدان میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور طلبہ کا کردار نمایاں قائدانہ اور گویا جہاد کی اصل روح ہے۔

چند روز قبل ہفت روزہ "تکبیر" کے مدیر اور مشہور صحافی محمد صلاح الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہاد افغانستان کے مختلف محاذوں پر گئے۔ اور اپنے رسالہ کا افغانستان نمبر نکالا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس نمبر میں انہوں نے اپنے تاثرات و مشاہدات میں لکھا ہے کہ وہ محاذ پر دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کا ولولہ، جذبۂ جہاد اور محاذ جنگ پر سر فروشانہ کردار دیکھ کر حیرت میں ڈوب کر رہ گئے۔ اور ان کی تحسین و عقیدت میں صفحات کے صفحات لکھ ڈالے۔ مولانا جلال الدین حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ) مولانا محمد ابراہیم حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ) اور مولانا احمد گل حقانی (شہید) کو اس دور کا امام ابن تیمیہ، امام السنوسی اور امام شامل قرار دیا۔

یہ جلال الدین حقانی، یہ محمد ابراہیم حقانی اور احمد گل حقانی وغیرہ کون ہیں۔

یہ آپ کے دارالعلوم کے فاضل ہیں۔ انہوں نے آپ کے ساتھ یہاں دارالعلوم میں زندگی کا طویل حصہ گذارا۔ ان کی طالب علمانہ زندگی بھی زہد و تقویٰ کا نمونہ اور پاکیزہ زندگی تھی۔ انہیں اپنی مادر علمی کا احترام تھا اور اپنے شیخ اور اساتذہ سے بے حد عقیدت تھی۔ اور آج اللہ نے ان کو جہاد و حفاظت دین کی کتنی عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔ دن کو گھوڑوں کی پیٹھ پر جہاد کرتے ہیں اور رات کو اللہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز اور کامیابی کی دعا کی خاطر جبین نیاز جھکاتے ہیں۔

یہ اب جس محاذ پر لڑائی سخت ہوگئی ہے۔ اور ان آٹھ دس دن میں روس نے جو ۵ سالہ تسلط واقتدار اور اس دوران افغان مجاہدین پر حملوں میں یہ سب سے بڑا حملہ کیا ہے۔ اور جہاں اب سخت اور فیصلہ کن جنگ جاری ہے۔ دونوں طرف زخمیوں سے ہسپتال اٹے پڑے ہیں یہاں بھی دوسرے محاذوں کی طرح دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء پیش پیش ہیں۔ کمانڈ اور قیادت ان کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا جلال الدین حقانی اور مولانا محمد ابراہیم حقانی اسی محاذ پر دشمن کو بار بار دندان شکن شکست دے چکے ہیں اور اب کافی عرصہ سے انہوں نے خوست کی فوجی چھاؤنی کا محاصرہ کر لیا تھا اور دن بدن وہ اپنے گھیرے کو تنگ کئے جا رہے تھے جس سے روسی کارمل حکومت بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ اور قریب تھا کہ یہ چھاؤنی مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو جائے روس نے پیش بندی کی خاطر پوری قوت سے اس محاذ کو کچلنے کی خاطر بہت بڑا حملہ کر دیا۔

آج ہم جس غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ مولانا احمد گل حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ) جو اس محاذ پر مجاہدین کے کمانڈر اور روح رواں تھے اور ۵ ہزار مجاہدین کی فوج ان کے زیر کمان تھی۔ روسی دشمن سے زبردست مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دوسرے رفقاء اور دارالعلوم کے فضلاء کے ساتھ شہید ہو گئے ہیں اور ان کی نعش کو میران شاہ لایا گیا ہے۔ آج کے نوائے وقت میں مولانا احمد گل حقانی کی شہادت کی خبر شائع ہوئی ہے۔ مولانا احمد گل حقانی، دارالعلوم کے ہونہار اور لائق فاضل تھے۔ ذہین اور محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ سے خصوصی تعلق تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے قریب ترین تلامذہ میں سے تھے آپ کی مسجد میں بھی رہے۔ شیخ الحدیث مدظلہ کی امامت بھی ان کے ذمہ تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ دارالعلوم حقانیہ جہاد کی چھاؤنی ہے دارالعلوم ایک چاردیواری یا مخصوص نصاب تعلیم کا نام نہیں بلکہ وہ ایک عالمی اور بین الاقوامی تحریک ہے۔ جو ہر جگہ اور ہر محاذ پر باطل سے برسرپیکار ہے۔ جن میں سر فہرست اور سب سے زیادہ نمایاں محاذ، روس جیسی سپر پاور سے جنگ ہے۔ جس میں دارالعلوم کے فضلاء اور طلبہ پیش پیش ہیں۔

عزیز طلبہ! آپ کے سامنے دارالعلوم حقانیہ کے قدیم طلبہ اور فضلاء بالخصوص مولانا جلال الدین حقانی

اور مولانا احمد گل حقانی کا کردار بطور نمونہ موجود ہے۔ دس فیصد محبت اور اخلاص بھی پیدا ہو جائے تو اللہ پاک سو فیصد کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازتا ہے۔

مولانا احمد گل، ایک نیک سیرت، سادہ اور محنتی طالب علم تھا۔ عبادت، ذکر و فکر اور اپنے اسباق پر اس کی پوری توجہ تھی۔ تو اللہ نے اسے جرنیل اور آج اخروی درجات و ترقیات سے نوازا۔ اور شہید بنا دیا۔ آج اپنے پرائے سب انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور سب کو اعتراف ہے کہ مولانا احمد گل حقانی اور مولانا محمد ابراہیم حقانی اور مولانا جلال الدین حقانی نے میدان کارزار میں محاذِ جنگ پر خالد بن ولیدؓ، حیدرِ کرار اور ابو عبیدہؓ کی یاد تازہ کر دی۔ ان کے ایثار و شجاعت کے نمونے دکھائے۔

علماء اور اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جائیں۔ نوجوان میدان کارزار میں جہاد کریں اہل ثروت ان کی امداد کریں۔ علماء اس کی تبلیغ کریں۔ اور ضعفاء اور تمام مسلمان دعا سے ان کی پشت پناہی کریں کیونکہ جہاد کے بھی مختلف درجات ہیں۔ کچھ لوگ میدان جنگ میں لڑتے ہیں کچھ ان کے لئے رسد، خوراک اور تعاون و نصرت کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ مجاہدین جذبہ جہاد اور ولولہ پیدا کرتے ہیں۔ کچھ رائے عامہ کو ہموار کرتے ہیں۔ اور کچھ شب و روز اللہ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کر کے ان کی فتح مندی کی دعائیں کرتے ہیں۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ مسلمان جسد واحد ہیں۔ افغان مجاہدین و مہاجرین کی پریشانی ہماری پریشانی ہے۔ اگر ہمارے اندر بے چینی، اضطراب، ہمدردی، فتح و نصرت کے لئے دعا و الحاح اور افغان مجاہدین و مہاجرین کے مسائل سے دلچسپی نہیں ہے۔ تو خطرہ ہے کہ اس عذاب اور ان مصائب کا رخ ادھر پھیر دیا جائے۔

ختم قرآن کی غرض بھی مولانا احمد گل اور دارالعلوم کے دوسرے کثیر تعداد میں شہید ہونے والے فضلاء اور طلبہ کو ایصالِ ثواب اور ان کے رفع درجات کی دعا کرنا ہے۔ اور یہ کہ باری تعالیٰ اس روسی اژدھے سے افغانستان کو نجات دے اور مسلمانانِ عالم کو اتحاد و اتفاق اور فتح و نصرت عطا فرمائے۔

۱۴ ستمبر بعد از نماز عشاء۔ مولانا فتح اللہ حقانی کی یاد میں

ابھی آپ کو مولانا عبدالقیوم حقانی نے دارالعلوم کے ایک دوسرے روحانی فرزند فاضل مولانا فتح اللہ حقانی کی شہادت کی خبر سنائی اور مجاہدین کی فتح، دعائیں اور شہداء کے لئے ایصال ثواب کی تقریب میں شرکت کا کہا۔ واقعۃً مجاہدین، شہداء بالخصوص ہمارے دارالعلوم کے فضلاء کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کی معاونت نصرت اور دعا و ایصال ثواب کرتے رہیں۔

اس سے قبل گذشتہ جمعہ کو مولانا احمد گل حقانی شہید ہوئے اور اب ہفتہ بعد مولانا فتح اللہ حقانی کی شہادت کی جانکاہ خبر ہم سن رہے ہیں۔ جہاں تک شہادت کی بات ہے ہمیں اس پر افسوس، ندامت اور اظہار غم اور نالہ و ماتم

نہیں کرنا چاہئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل وکرم احسان وعنایت ہے کہ اس بے دینی، بے راہ روی اور فتنوں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے دارالعلوم کے فضلاء کو جہاد و شہادت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یہ فخر اور عزت و افتخار کا مقام ہے کہ آج عالمی پریس اور نشر واشاعت کے عالمی ادارے ہمارے فضلاء کا نام لیتے ہیں۔ اور ان کے نام کے ساتھ حقانی کی نسبت کا لاحقہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ جہاد و شہادت کا عظیم مقام ہے۔ حضرات صحابہ کی یہ تمنا ہوا کرتی تھی کاش! جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل ہو۔ اور اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو۔ ہمارے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں ہاتھ پاؤں توڑ دئے جائیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بارہا اس کی تمنا کرتے کاش میں اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں۔ پھر زندہ کر دیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں اور جب تک قیامت قائم ہو یہ سلسلہ جاری رہے۔

سعد بن وقاصؓ ایک جلیل القدر صحابیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں اوّلؓ من رمٰی فی سبیل اللہ کا شرف ان کو حاصل ہے۔ احادیث میں ان کے بڑے مناقب آئے ہیں۔ عراق، ایران اور عجمی علاقوں کے فاتح ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

احد کے روز میرے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن جحش ایک طرف ہو کر فرمانے لگے کہ کل میدان کارزار میں جانے سے پہلے خلوص والحاح سے دعا مانگ لیں۔ ایک دعا مانگے دوسرا آمین کہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ اول میں نے دعا مانگی پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے دعا مانگی۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ فرماتے ہیں عبداللہ بن جحش نے عرض کیا:۔

اللھم ارزقنی غدا رجلا شدیدا باسہ شدیداً حردہ یقاتلنی و اقاتلہ ثم یقتلنی فیجدع انفی و اذنی فاذا لقیتک تقول یا عبداللہ فیما جدع انفک واذنک فاقول فیک وفی رسولک

(او کما قال)

اے اللہ! کل میدان کارزار میں ایک ایسے شخص سے میرا سامنا ہو جو گرفت میں مضبوط اور مقابلہ میں توانا و طاقتور ہو، پھر وہ مجھے قتل کر دے۔ میرا ناک اور کان کاٹ دے میرا مثلہ کر دے جب آپ کے ہاں میری حاضری ہو تو آپ مجھ سے دریافت کریں عبداللہ! کس سلسلہ میں آپ کے ناک اور کان کاٹ دئے گئے ہیں تو میں عرض کروں یا اللہ! آپکی اور آپکے رسولؐ کی محبت میں۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے ان کے دل سے نکلی ہوئی دعا قبول کر لی اور جب انہیں میدان کارزار میں دیکھا تو ان کے کان اور ناک کاٹ دئے گئے تھے۔ تو صحابہؓ میں شہادت کی تڑپ تھی۔

مولانا احمد گل حقانی کی شرافتیں، اخلاص و محبت اور جذبہ جہاد مولانا فتح اللہ حقانی کا اساتذہ سے وابستگی

خلوص و محبت اور ہمارے ہاں یہاں کے اساتذہ کے ساتھ ان کی صحبتیں اور رفاقت ایک ایک چیز ابھرا بھر کر سامنے آتی ہے۔

مجھے یاد ہے آج سے سات آٹھ سال قبل جب جہاد افغانستان کی ابتدا کی جارہی تھی اور مولانا احمد گل حقانی آئے تو سامنے والی پٹڑی کے اس پار کھیتوں میں رات گئے تک ٹہلتے ہوئے روسی دشمن سے جہاد اور جنگ کی منصوبہ بندی کرتے، نقشے بناتے، عزائم دہراتے، رفقاء اور ساتھیوں کی نصرت حاصل کرنے کے خاکے بناتے۔ یہ ساری چیزیں مجھے کل کی تازہ بات کی طرح یاد ہیں اور لگا ہے دل میں یہ خیال بھی آتا کہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ روسی طاقت سے کون مقابلہ کرے گا۔

مگر اللہ پاک کو ان خاکوں میں رنگ بھرنا تھا اس کی قدرت کے سامنے ساری انہونی باتیں ہو کے رہتی ہیں آج مولانا احمد گل حقانی اور مولانا فتح اللہ حقانی کا عظیم تاریخی کردار امت کے سامنے ہے بچپن سے اور طالب علمی کے زمانے سے ان کے عزائم یہی تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ والا جذبہ اور ان کے دل کی دھڑکنیں قدرت نے انہیں ودلیعت کر دی تھیں ۔

فلست ابالی حین اقتل مسلماً
علی ای جنب کان، للّٰہ مصرعی
وذالک فی ذات الالہ وان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزّع

ہمارے ان علماء، دارالعلوم کے فضلاء اور مجاہدین نے ایثار و قربانی کے لازوال نمونے پیش کر دیئے ہیں جس سے صرف دارالعلوم کو نہیں بلکہ پوری ملت مسلمہ کو سرخروئی حاصل ہوئی ہے۔ مولانا فتح اللہ حقانی بھی ایک عجیب و غریب، مخلص وفادار اور دارالعلوم کے لائق فرزند تھے۔ ہمارے ساتھ تو بے تکلف تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے بے حد عشق تھا ہر وقت ان کے ساتھ لگے لپٹے رہتے تھے۔ اور دعائیں حاصل کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ نے ان کو میدانِ کارزار میں امارت، کمانڈری اور اب شہادت کی خلعت سے سرفراز فرمایا +

مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ مضامین روشنائی سے کاغذ کے ایک طرف تحریر فرمائیں۔ صاف اور خوشخط لکھیں۔ پنسل یا بال پین سے تحریر شدہ مضامین پڑھے نہیں جاتے۔

(ادارہ)

دارالعلوم حقانیہ کے قابل فخر سپوت
عظیم جرنیل جہاد پکتیا کے کمانڈر

مولانا احمد گل حقانی کی شہادت

ہفت روزہ معاصر تکبیر کراچی کی رپورٹ

معاصر ہفت روزہ تکبیر کراچی نے تازہ شمارہ ۱۳ تا ۱۹ ستمبر ۱۹۸۵ء میں مولانا احمد گل حقانی فاضل حقانیہ کی شہادت کے بارہ میں حسب ذیل رپورٹ شائع کی ہے۔ اوراس کے بعد تکبیر کے جہادِ افغانستان نمبر سے جناب صلاح الدین مدیر تکبیر کا مولانا سے آخری انٹرویو بھی دوبارہ نشر کیا ہے یہ دونوں چیزیں الحق میں شائع کی جارہی ہیں۔ (ادارہ)

★

یہ جمعہ ۶ ستمبر کی صبح ہے۔ عام صبحوں سے خاصی مختلف، خوست کے محاذ پر دشمن کا سب سے بڑا حملہ اپنے عروج پر ہے۔ اسکی پوری کوشش ہے کہ لیژان اور باڑی پر واقع مجاہدین کے مراکز کو ختم کرکے ان کے درمیان سے گزرنے والے راستے پر قبضہ کرلیا جائے اور پھر اس راستے کی مدد سے مجاہدین کے سب سے بڑے ہیڈکوارٹر ژوار مرکز کو ختم کر دیا جائے جو کہ صوبہ پکتیا میں مجاہدین کی تمام کارروائیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

دشمن اپنے ان مذموم ارادوں کی تکمیل کے لئے مختلف اقسام کے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس وہ ۲۰ سے ۳۰ ہزار تک فوج خوست کے اطراف میں واقع مجاہدین کے مختلف مراکز پر حملہ کرنے کے لئے میدان میں لے آیا جنہیں زمینی اسلحہ کی برتری کے علاوہ بھرپور فضائی امداد بھی حاصل ہے۔ کسی بہت بڑے ہشت پا کی مانند اس نے اپنے فوجی کنوائے مختلف سمتوں میں پھیلا دئیے تاکہ وہ مجاہدین کا باہمی رابطہ ختم کرسکیں اور انہیں ژوار مرکز کے دفاع کے لئے جمع نہ ہونے دیں۔

مجاہدین نے دشمن کی اس چال کو بروقت بھانپ لیا۔ اور اس سے پہلے کہ روسی فوجی کنوائے آگے بڑھتے اور مجاہدین کے اگلے مراکز کو اپنے حملہ کی زد میں لیتے خود مجاہدین نے اپنے اگلے مراکز سے آگے بڑھ کر دشمن کے آگے دفاعی حصار باندھ دیا۔ اور انہیں مختلف اطراف سے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ایسے ہی دفاعی مورچے لیژان مرکز سے آگے "انزکی" نالہ کے قریب مرکز کو جانے والے راستہ کے سرے پر جو کہ اس نالہ سے گزرتا ہے، قائم ہیں۔ اس نازک ترین مقام پر روسیوں کے کنوائے کے بالکل بالمقابل اور ان کی نگاہوں کے سامنے بغیر کسی بڑی

آڑ کے مورچوں میں مجاہدین دشمن کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور یہیں مولوی احمد گل ذاتی طور پر معرکہ کی کمانڈ کر رہے ہیں۔
گزشتہ ایک ہفتہ سے بھی زیادہ عرصے سے مسلسل اور شدید جنگ جاری تھی، دشمن کی توپوں ٹینکوں، مارٹر، بی ایم ۲۱ راکٹوں اور دیگر بھاری اسلحہ کے سماعت شکن دھماکے پورے تسلسل سے سنائی دے رہے تھے۔ مجاہدین کی طرف سے بھی جوابی فائر وقفے وقفے سے جاری تھا۔ دشمن کی پیش قدمی کو روک دیا گیا تھا۔ اور اب مجاہدین دشمن کے کسی نئے متوقع اقدام کے لئے پیش بندیاں کر رہے تھے۔

اس صبح کے سورج نے افق کے دریچے سے جب اپنا روشن چہرہ ظاہر کیا تو اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ خوست کے اس محاذ پر قدرے خاموشی طاری ہے۔ روزانہ توپوں کی جس گھن گرج کا وہ عادی ہو چلا تھا وہ خاصی کم تھی، اگرچہ اکا دکا دھماکے جاری تھے لیکن شاید اسے بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس خاموشی میں کیسا طوفان پنہاں ہے۔

عین اسی وقت مولوی احمد گل صاحب اپنے مورچے میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ جن میں افغان فوج کے سابق میجر گل زرک، اسماعیل اور چند دوسرے کمانڈر بھی تھے، مسلسل صلاح مشورے میں مصروف تھے۔ کافی دیر تک محاذ کی صورت حال زیر بحث رہی بالآخر یہ طے پایا کہ ایک ریکی پارٹی کو آگے بھیجا جائے جو دشمن کی تعداد کی صحیح صحیح جائے وقوع اور اسکی سپلائی لائن کا تعین کر سکے تاکہ مجاہدین اپنے جوابی حملے کے آغاز کے لئے منصوبہ بندی کریں محاذ کے کمانڈر نے خود اس گروپ کے ہمراہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دیگر ساتھیوں نے دبے لفظوں میں اعتراض کیا اور خود کو اس کام کیلئے پیش کیا۔ لیکن مولوی احمد گل کا فیصلہ اٹل تھا۔ ساتھیوں نے سر تسلیم خم کیا اور اپنے ہر دلعزیز کمانڈر کو رخصت کیا۔ ۱۱ بجے سے کچھ قبل یہ پارٹی روانہ ہوئی ہی تھی کہ دشمن نے انہیں دیکھ لیا۔ جونہی یہ مزید آگے بڑھے۔ دشمن نے بھرپور فائر کھول دیا۔ اور انہیں پوری طرح اپنی زد میں لے لیا۔ دیگر مجاہدین نے اپنے ان ساتھیوں کو دشمن کی زد میں دیکھ کر جوابی فائر کھول دیا۔ تاکہ یہ اس کی آڑ میں اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ صبح کی عارضی خموشی میں گہرے شگاف پڑنے شروع ہو گئے۔ گیارہ بج چکے تھے۔ یکایک قریب ہی دشمن کے ایک ٹینک نے انہیں اپنے نشانہ پر لیکر گولہ باری شروع کر دی اور پھر اسی ٹینک کا ایک گولہ مولوی احمد گل کا سینہ چیرتا ہوا گزر گیا۔ مولوی صاحب زمین پر گر پڑے۔ دیگر مجاہدین دوڑے اور آ کر انہیں اٹھایا، لیکن وہ تو اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر کے حیات جاودانی حاصل کر چکے تھے۔ ع

صلہ شہید کیا ہے تب وتاب جاودانہ

آخری انٹرویو

مولوی احمد گل سے مدیر تکبیر جناب محمد صلاح الدین نے لنوڑی مرکز میں اتوار ۴ اگست کو بعد نماز فجر ان کی

زندگی کا آخری انٹرویو لیا تھا۔ یہ انٹرویو جو اس عظیم مجاہد کی زندگی، شخصیت اور کارناموں کا بڑی حد تک احاطہ کرتا ہے۔ "تکبیر" کے "جہادِ افغانستان نمبر" میں شائع ہو چکا ہے۔ مولوی احمد گل کی شہادت کے بعد ہم اسے دوبارہ شائع کر رہے ہیں تاکہ جو قارئین اب تک ان سے متعارف نہیں ہو سکے تھے، وہ بھی اس شہید کمانڈر کے حالاتِ زندگی سے واقف ہو سکیں۔

---

۴۳ سالہ مولوی احمد گل پکتیا کے کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی کے ہم جماعت اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل درسِ نظامیہ ہیں۔ یہ دونوں مولانا عبدالحق رکن قومی اسمبلی کے شاگرد رشید ہیں۔ مولوی احمد گل مجاہدین کی سات جماعتوں کی متحدہ تنظیم میں مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ اس سے قبل وہ اتحادِ اسلامی برائے آزادیٔ افغانستان کے پہلے اتحاد میں چیف جسٹس تھے۔ آجکل وہ مولانا حقانی کی تنظیم میں امیر تربیت و تعلیم ہیں۔ تبلیغ اور سیرت و اخلاق کے شعبہ کے نگران ہیں۔ وہ ظاہر شاہ کے زمانے سے خلقی، پرچمی اور شعلہ نامی کمیونسٹ تنظیموں کے خلاف علمی فکری اور عملی جہاد میں شریک رہے ہیں۔ انہوں نے سردار داؤد کے عہد حکومت میں بڑے بڑے مظاہرے منظم کئے۔ گردیز اور خوست میں جلوس نکالے۔ کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کے خلاف افغانستان میں جن لوگوں نے باقاعدہ جہاد کا آغاز کیا ان میں مولانا حقانی، احمد شاہ اور مولوی احمد گل شامل تھے۔ گردیز کی جیل میں یہ چھ ماہ قید رہے۔ ان پر ارگن کے گورنر کو، جو دہریہ تھا، قتل کرنے کا منصوبہ بنانے کا الزام تھا۔ مولوی احمد گل نے بتایا کہ داؤد کے دور میں کمیونسٹوں کی مجموعی تعداد ۴۴ ہزار تھی۔ ایک کروڑ ۵۷ لاکھ کے ملک میں یہ تعداد زیادہ نہ تھی۔ پھر ۴۴ ہزار میں بھی زیادہ تر متاثرین تھے۔ اصل کمیونسٹ کل ۵ ہزار تھے۔ روسی فوجوں کی آمد سے کمیونسٹوں کا نظریاتی محاذ کمزور ہوا ہے۔ کیونکہ فریب کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ اور لوگوں نے کمیونزم کا اصل اور نہایت مکروہ چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ مولوی احمد گل نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ اس وقت افغانستان کی زمین سب سے زیادہ خلقیوں اور پرچمیوں پر تنگ ہے۔ روسی اپنی کارروائیوں میں ان ہی کو آگے آگے رکھتے ہیں اور موت کے منہ میں دھکیلتے ہیں وہ خود پیچھے رہتے ہیں۔

ادھر مجاہدین کو روسیوں سے زیادہ ان خلقیوں سے نفرت ہے کیونکہ وہ اپنے ملک پر ٹوٹنے والی قیامت کا اصل ذمہ دار روس کے ان نمک خواروں کو ہی سمجھتے ہیں ان کی شامتِ اعمال نے انہیں بدترین انجام سے دوچار کیا ہے۔ روسی انہیں اپنا خدمت گار بنائے ہوئے ہیں وہ اپنے ماضی کے کردار پر سخت پشیمان ہیں لیکن مجاہدین کیلئے اب وہ قطعی ناقابلِ اعتماد ہیں اس لئے انہیں کہیں زندہ نہیں چھوڑا جاتا۔ انہیں ہر وقت قتل کر دئے جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ مولوی احمد گل نے ایک سوال پر بتایا کہ روسی ابتدا میں اپنے ساتھ سمرقند اور بخارا کے فوجی لائے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ تمہیں ڈیم اور پل بنانے کے لئے افغانستان لے جایا جا رہا ہے۔ یہ یہاں پہنچے تو انہوں نے

مقامی لوگوں سے جو چیز سب سے زیادہ طلب کی وہ قرآن مجید کے نسخے تھے ۔ انہوں نے افغانوں سے کہا کہ تم اپنا جہاد جاری رکھو ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ روسیوں نے ترکستانی علاقے کے ان فوجیوں کو منشیات کا عادی بنایا ہوا تھا ۔ لیکن ان میں سے کچھ فوجیوں نے منشیات کا استعمال ترک کیا ۔ روسی افسروں کو جب اس ساری صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے بخارا اور سمرقند کے ان فوجیوں کو تیزی سے تبدیل کیا اور اپنے مغربی علاقوں کی فوج کو یہاں پہنچایا ۔ مولوی احمد گل نے بتایا کہ روس کے مقبوضہ ترکستانی علاقوں میں بھی آزادی کی تحریک شروع ہو چکی ہے ۔ وہاں لٹریچر بھی پہنچ رہا ہے ۔ روس اس صورتحال سے بہت پریشان ہے ۔ اسے افغانستان اور ترکستان کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت ، ان کی جرأت و شجاعت اور اسلام سے گہری وابستگی کے پیش نظر یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی تحریک آزادی متحدہ جد و جہد کی صورت اختیار نہ کرے ۔ وہ ان کے درمیان رابطوں کو کاٹنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے ۔ لیکن یہ رابطے اب دن بدن وسیع اور مستحکم ہوتے جا رہے ہیں ۔

مولوی احمد گلؒ محض تحریر و تقریر کے مجاہد نہیں ہیں ، وہ اپنے کمانڈر مولانا حقانی اور امام شاملؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی طرح صاحب سیف و قلم ہیں ۔ انہوں نے خوست ارگن ، ترمیرہ ، ڈبگئی ، ماڑی تھانہ اور لیژان کے معرکوں میں حصہ لیا ۔ وہ لیژان کے کمانڈر بھی رہے ۔ روسی چوکیوں اور کنوائے پر متعدد حملے کئے ۔ ایک حملے میں زخمی بھی ہوئے ۔ مولانا جلال الدین حقانی کی عدم موجودگی میں وہی پکتیا کی کمان سنبھالتے ہیں ۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت پورے افغانستان میں ۱۰ لاکھ مجاہدین مصروف جہاد ہیں ۔ ملک کی ۹۵ فیصد آبادی ان کے ساتھ ہے اور ۸۰ فیصد علاقے پر مجاہدین کا مؤثر کنٹرول ہے ۔ روس کا قبضہ صرف دارالحکومت کابل اور بڑے شہروں تک محدود ہے ۔ اور وہاں بھی اسے سخت مزاحمت کا سامنا ہے ۔ تحصیل اور گاؤں کی سطح پر نام نہاد کارمل حکومت کا کہیں وجود نہیں ۔ روس نے جنیوا مذاکرات پر جو آمادگی ظاہر کی ہے وہ اسکی پسپائی اور شکست خوردگی کی علامت ہے ۔ مولوی احمد گل نے کہا کہ یہاں کارمل حکومت کی حیثیت محض ایک نقاب کی سی ہے وہ تو کٹھ پتلی ہے ۔ اصل اقتدار روس کے پاس ہے ۔

برطانوی دور کی شخصی یادگار

چوہدری رستم علی

ننگِ وطن کردار کی جھلکیاں

سر ظفر اللہ کی وفات سے قادیانیت کی تاریخ کا ایک باب ختم ہوگیا۔ سر ظفر اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بچپن میں دیکھا اور ان کی نبوت پر ایمان لائے کیونکہ ان کا گھرانہ قادیانیت کی آغوش میں جا چکا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں مرزا غلام احمد سیالکوٹ میں ایک لیکچر دینے گئے تو سر ظفر اللہ اس مجلس میں موجود تھے۔ وفاداری بشرطِ استواری کے اصول کے تحت آپ نے تمام عمر قادیانیت کے لئے وقف کر دی۔ مرزا قادیانی کے بعد حکیم نور الدین کے دور (۱۹۰۸ء - ۱۴) میں آپ نے لندن میں تعلیم مکمل کی اور پھر مرزا محمود (۱۹۱۴/۱۹۶۵ء) کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں رہے۔ مرزا محمود کے بعد تیسرے قادیانی سربراہ مرزا ناصر احمد اور موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد سے بھی آپ نے بھرپور تعاون کیا اور کسی طور بھی قادیانی مسلک کی ترویج اور اپنے مشن کے لئے کام کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ اگرچہ اس دور میں قادیانیت کو بہت سخت اور صبر آزما حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

سر ظفر اللہ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ آپ ایک وکیل، آئینی و سیاسی مدبر اور قانون دان تھے۔ برطانوی دور میں اور عہدوں کے علاوہ آپ وائسرائے کی کونسل کے ایک ممبر بھی تھے اور اس لحاظ سے انگریز کی نوآبادیاتی پالیسی سے بخوبی آگاہ رہتے تھے۔ سر ظفر اللہ کا تمام کیریر اس بات پر منحصر تھا کہ آپ انگریز کے خود کاشتہ پودے کی ٹہنی کا پتہ تھے۔ برطانوی سامراج کی پالیسیوں کی تکمیل اور ان کے نوآبادیاتی عزائم کو پورا کرنے میں ہر وقت اور ہر طرح مستعد رہتے تھے۔ مرزا محمود سربراہ دوم اور برطانوی اعلیٰ افسروں کے درمیان رابطے کا اہم ذریعہ آپ ہی کی ذات تھی۔ انگریز کو آپ کی وفاداری، تاجِ برطانیہ سے محبت، برطانوی راج کے استحکام کیلئے سرفروشی اور فدائیت پر پورا پورا یقین و اعتماد تھا۔ برطانوی حلقوں میں آپ شاہ (انگلستان) سے زیادہ وفادار سمجھے جاتے تھے۔ قادیانی جماعت نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۷ء تک جن جن سیاسی سازشوں میں حصہ لیا اس کے پس پردہ آپ کی مشاورت اور مرزا محمود کے احکامات کو گہرا دخل تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم اوّل، ترکی خلافت، عدم تعاون، ہجرت وغیرہ کی تحریکوں میں قادیانیوں کے گھناؤنے اور اسلام دشمن سیاسی کردار میں سر ظفر اللہ کا بڑا حصہ تھا۔ آپ ہی نے پہلی دفعہ مرزا محمود کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ منٹو سے دہلی میں ملاقات کی اور سیاسی

امور خصوصاً خود مختار حکومت کے مسئلہ پر قادیانی موقف کی وضاحت کی اس کے بعد ہر نئے وائسرائے ہند کو جماعت احمدیہ نے جو ایڈریس پیش کئے ان میں آپ پیش پیش رہے۔ ان ایڈریسوں میں جماعت کی انتہائی وفاداری، انگریز کی سچی خدمت اور اطاعت کامل کے جذبات کا اظہار ہوتا اور تجدید عہد کی جاتی۔ انگریز کی سیاسی پالیسیوں اور شاطرانہ چالوں کی تکمیل کیلئے احمدیہ جماعت کو خفیہ فنڈز سے معتدبہ حصہ ملتا تھا۔ مرزا محمود نے کئی خطبوں میں کہا ہے کہ وہ انگریز کی سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ حتیٰ کہ احمدیہ جماعت، برطانوی حکومت کی ایک سیاسی ایجنسی سمجھی جاتی تھی اور احمدی انگریز کے جاسوس قرار دئے جاتے تھے۔ انگریز ایک طرف خفیہ مالی ذرائع مہیا کرتا۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کے کوٹے سے قادیانیوں کو اعلیٰ عہدے عطا کرکے وفادار جماعت کی ترقی میں مدد دیتا۔

سر ظفر اللہ برطانوی سول سروس کے افسروں اور قادیانی امیدواروں کے درمیان ایک اہم رابطہ تھے۔ آپ قادیانیوں کی ایک مقررہ تعداد کو فوج، سول اداروں اور خفیہ اداروں میں بھرتی کراتے اور ان کو بڑھنے پھولنے کے مواقع مہیا کرتے تاکہ خلافت کے چندوں میں اضافہ ہو۔ مرزا قادیانی کی امت بڑھے اور انگریز کے راز محفوظ رہیں۔

سر ظفر اللہ کو سر فضل حسین کی زبردست سرپرستی حاصل رہی۔ آپ کو گول میز کانفرنس میں سر فضل حسین نے بھجوایا۔ تاکہ قائد اعظم محمد علی جناح ؒ کی آواز کو دبائیں ان کانفرنسوں میں آپ نے سر فضل حسین کی سیاسی پالیسی کے ترجمان کے طور پر کام کیا اور انگریز سے خراج تحسین حاصل کیا اور سر کا خطاب پایا۔ چوہدری رحمت علی ؒ کی پاکستان سکیم کو آپ نے واہمہ اور ناقابل عمل بتایا۔

۱۹۳۱ء میں انگریز کے خلاف ہندوستانی انقلابیوں کی تحریکوں میں سر ظفر اللہ انگریز کے قانونی مشیر تھے اور دہلی سازش کیس میں سرکار کے وکیل تھے۔ سر جیمز کیرٹر رکن داخلہ سرکار برطانیہ آپ کو کراؤن کونسل مقرر کرنے میں از حد دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی سال ۱۹۳۱ء میں قادیانی حلقوں نے برطانوی اہل کاروں، سرکار پرستوں، جاگیرداروں اور نوابوں کی مدد سے مسلم لیگ کی قیادت کو چار بڑے دھڑوں میں تبدیل کرکے ایک دھڑے کی صدارت کے لئے سر ظفر اللہ کو منتخب کیا لیکن اسلامیان ہند نے مسلم لیگ کا یہ اجلاس نہ ہونے دیا۔ ایک کوٹھی میں چھپ چھپا کر چند ریزولیشن پاس کرکے پریس کو دے دئے گئے۔ اس زمانے (۱۹۳۲ء) میں وائسرائے نے آپ کو اپنی کونسل میں بطور ممبر لے لیا۔ سر فضل حسین نے اسکی بھرپور سفارش کی۔

۱۹۳۵ء کے بعد آزادیٔ کشمیر کی جدوجہد میں مسلم زعماء نے ہندوستان سے ایک تحریک کی بنیاد اٹھائی قادیانی شاطر مرزا محمود نے کشمیر میں قادیانی سٹیٹ قائم کرنے کی ایک سازش تیار کرکے انگریز کی مدد سے ایک وسیع تبلیغی پروگرام تیار کیا۔ ظفر اللہ نے برطانوی نوآبادیات کی سیاسی پالیسی کی تکمیل کے لئے برطانوی سیکریٹری آف سٹیٹ کے اشاروں پر کشمیر میں سیاسی رہنماؤں کو خریدا اور ریاست میں قادیانی مشن قائم کرائے۔ مرزا محمود نے کشمیر کمیٹی

کے پلیٹ فارم کو ان مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ انگریز کشمیر اور شمالی سرحدی علاقوں میں وفادار جماعتوں اور جاسوسوں کو پروان چڑھا کر ایک تو روسی توسیع پسندی کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے اس علاقے کے شخص کو بدلنا چاہتا تھا۔ احرار رہنماؤں نے قادیانیوں کی ان سازشوں کا بھرپور مقابلہ کیا اور سر ظفر اللہ بطور مسلمان وائسرائے کی کونسل میں تقرر کے خلاف آواز اٹھائی۔ قادیان میں احرار کی تحریک (۱۹۳۴ء) جسٹس کھوسلے کے جرأت مندانہ فیصلے کشمیر چلو کے نعرے اور احرار رضاکاروں کی گرفتاریوں نے سامراجی تنظیم قادیانیت پر کاری ضرب لگائی۔ ان حالات میں سر ظفر اللہ نے خود اور اپنی والدہ کی معرفت وائسرائے پر کافی اثر ڈالا اور احرار کی تحریک کو ناکام بنانے میں ہر حربہ اختیار کیا۔

شہید گنج کی تحریک کے در پردہ سیاست میں سر ظفر اللہ اور سر فضل حسین کی شاطرانہ چالوں کو گہرا دخل تھا۔ قادیانی رضاکاروں نے مسلمانوں اور احرار کے زعماء کے درمیان تصادم پیدا کرنے اور پنجاب کی سیاست میں سرکار نواز یونینسٹ طبقے کو ابھرنے کا موقع دینے میں پوری توانائیاں صرف کیں جس کے نتیجے میں "احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔"

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جو انتخابات ہوئے ان میں قادیانی جماعت پنجاب کی یونینسٹ قیادت کے ساتھ تھی۔ قادیانیوں نے مسلم لیگ کی بھرپور مخالفت کی اور کانگرسی وزارتوں کے قیام پر خوشی کے شادیانے بجائے۔ لاہوری جماعت کے اخبار پیغام صلح کے ۱۹۳۷ء کے فائل قادیانیت کے سیاسی چہرے کی نقاب کشائی کرتے ہیں اور ظفر اللہ کے سیاسی کردار کے خدوخال پیش کرتے ہیں۔ لاہوری جماعت نے مسلم لیگ کی پالیسی سے اتفاق کیا جبکہ قادیانی جماعت نے کانگرس کا ساتھ دیا اور بعض کانگرسی رہنماؤں کو قادیان مدعو کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت علامہ اقبالؒ کے جرأت مندانہ مقالے نے قادیانیت کے سیاسی عزائم اور دینی غداریوں کو واضح کر دیا تھا جس کے بعد قادیانی پنڈت نہرو سے عقیدت کا اظہار کر رہے تھے پنڈت جی کا لاہور سٹیشن پر قادیانی رضاکاروں نے استقبال کیا اور فخر قوم کے نعرے لگائے۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک کا زمانہ کانگرس سے پینگیں بڑھانے میں گزر گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں سر ظفر اللہ انگریز کا نفس ناطقہ تھا۔ قادیانی جماعت نے جنگ میں بھرتی دی، مالی تعاون کیا، اور بین الاقوامی سطح پر تحریک جدید کے مشنوں کے تحت انگریز کے لئے جاسوسی کی۔ سر ظفر اللہ اور مرزا محمود ان تمام کارروائیوں کے پس پردہ برطانوی مہروں کے طور پر کام کرتے رہے۔ انہوں نے کبھی بھی مسلمانوں کی آزادی و حریت کے حق میں آواز نہ اٹھائی۔ جتنی جتنی انگریز نے ہندوستان کو آزادی دینے کی پالیسی میں نرمی کی اتنی اتنی قادیانی پالیسی میں اپنے مفاد کے لئے لچک پیدا ہوئی۔ ۱۹۴۵ء سے لیکر ۱۹۴۶ء تک نہ تو

سر ظفر اللہ نے اور نہ ہی مرزا محمود نے پاکستان کے حق میں کوئی آواز بلند کی ان کی تمام تر توجہ قادیان کو اپنی مملکت بنانے پر مرکوز رہی۔ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں قادیانی جماعت نے مسلم لیگ کی نام نہاد حمایت کا جو اعلان کیا وہ انتہائی منافقت، عیاری اور موقع پرستی پر مبنی تھا۔ ہر حلقے کے انتخاب میں قادیانیوں نے الگ پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اکثر جگہوں پر یونینسٹ امیدواروں کا ساتھ دیا گیا اور کئی آزاد امیدواروں نے قادیان میں آکر جماعت احمدیہ کا تعاون حاصل کرنے کے معاہدے کئے۔

سر ظفر اللہ احرار کی ایک اہم سیاسی شخصیت کو سیالکوٹ سے قادیان لائے اور مرزا محمود سے ایک معاہدہ کرنے کی سفارش کی۔ کئی انتخابی حلقوں میں قادیانیوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کے خلاف ذلیل پراپیگنڈہ کیا اور انہیں ناکام بنانے کے حربے اختیار کئے۔ سر ظفر اللہ کا ایک بھی ایسا بیان موجود نہیں جس میں انہوں نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا ہو۔ یا مسلم لیگ کی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کی سیاسی پالیسی کے حق میں کوئی واضح بیان دیا ہو۔ آپ کو انگریزی حکومت کے ہمیشہ کے قیام میں اپنی اور قادیانیت کی بقاء مضمر نظر آتی تھی آپ کے دینی عقائد، سیاسی مزاج اور برطانوی آقاؤں سے تعلقات اس بات کی کسی طور پر اجازت نہ دیتے تھے۔ کہ آپ انگریز کی بالادستی کو ڈھلتا ہوا دیکھیں۔ قادیان کی آزادانہ حیثیت کے قیام کے لئے ۱۹۴۷ء کے وسط میں مرزا محمود نے اپنی سیاسی پالیسی میں جو معمولی تبدیلی پیدا کی اور مسلم لیگ کی طرف جس جھکاؤ کا اظہار کیا اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ کیونکہ پنجاب کی تقسیم کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور پاکستان کا وجود ایک حقیقت بن کر ابھر رہا تھا۔ قادیان میں علیحدہ ویٹیکن قسم کی ریاست عملاً دشوار امر تھا۔

سر ظفر اللہ نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے طور پر برطانوی اور بعد میں امریکی اشاروں پر جو خارجہ پالیسی وضع کی اس کے مضمرات ہمارے سامنے ہیں۔ کشمیر کے مسئلے پر آپ کی طویل تقریریں مسئلے کو الجھانے کا باعث بنیں۔ افغانستان کے سلسلے میں آپ نے وہ رویہ اختیار کیا جو مرزا قادیانی نے برطانوی جاسوس مولوی لطیف کی سنگساری اور مرزا محمود نے دوسرے قادیانی جاسوسوں کے افغانستان میں قتل کے سلسلہ میں روا رکھا۔

فلسطین یا دیگر اسلامی ممالک کی آزادی کے سلسلے میں سر ظفر اللہ نے پاکستان کی سیاسی پالیسی اور اس کے عربوں کی حمایت کے موقف کو پیش کیا۔ اپنی ذاتی حیثیت سے وہ ان اسلامی ممالک کے تمام باشندوں کو مطلق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ ان ممالک کے سربراہوں نے اپنے نیم خودمختار یا انقلابی اقتدار میں قادیانی مشن یا تو قائم نہ ہونے دئے یا ان کے قیام کے بعد ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا "جرم" کیا۔ مرزا قادیانی نے دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں اپنا لٹریچر روانہ کر کے وہاں کے علماء، زعماء اور خلافت ترکیہ کے خلاف نہایت بدگوئی کی اور ان کی تباہی کی پیش گوئیاں اور انگریز کی حکومت کے غلبے کی دعائیں کیں۔ مرزا محمود

نے اپنے جاسوسوں اور صیہونی ایجنٹوں اور یہودی آقاؤں کی مدد سے اسلامی ممالک کی سالمیت کو نقصان پہنچایا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے اس شجر خبیثہ کا ایک پھل کسطرح مسلمانوں کا بہی خواہ ہو سکتا تھا۔؟ وہ ایک تنخواہ دار وکیل کی طرح تھا جس کو فیس ادا کر کے آپ کسی قسم کے کیس کی وکالت کرا سکتے ہیں۔ پاکستان کی وزارتِ خارجہ سے علیحدگی کے بعد وفات تک کے تقریباً تئیس ۲۳ سالوں میں سر ظفر اللہ، قادیانی جماعت، مرزا محمود، مرزا ناصر اور مرزا طاہر میں سے کسی نے بھی فلسطین یا اسلامی ممالک کے لئے کوئی آواز بلند نہ کی۔ انہوں نے تو صیہونی اشاروں پر فلسطین میں ۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازشیں کیں جنکی تفاصیل کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

عالمی عدالتِ انصاف میں امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر ڈلز کی اعانت سے سر ظفر اللہ جج مقرر ہوئے یہ پاکستان میں امریکی خدمات کی انجام دہی کا ثمرہ تھا۔ پاکستان کو سیٹو جیسے معاہدوں میں پھنسانے کے صلے آپکی عزت افزائی کی گئی۔ سر ظفر اللہ نے جنوب مغربی افریقہ کے انقلاب کے مسئلے پر عالمی عدالت میں جو گھناؤنا کردار ادا کیا اس کے نتیجے میں برطانوی اور امریکی آقاؤں کی اشیر باد حاصل کر کے آپ کو عدالت کی صدارت تو مل گئی لیکن یہ داغ کسی طرح دھل نہ سکے گا۔ برطانوی سامراج کی شخصی یادگار سر ظفر اللہ محکوم اقوام کی آزادی کا ترجمان بن ہی نہیں سکتا تھا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک میں بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں لندن مشن اور سر ظفر اللہ کے بیانات تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور ان کی تلخی ابھی تک ہمیں یاد ہے۔ بین الاقوامی عدالت میں ظفر اللہ کے کردار کا ذکر ہی کیا ۱۹۴۵ء میں برطانوی سامراج نے آزادی پسند چین کی تحریک حریت کے زمانے میں آپ کو اپنا اے۔ جی نامزد کر کے خصوصی خدمات کی بجا آوری کیلئے چین روانہ کیا۔ ایسے ہی تحریک پاکستان کے آخری ایام میں جون ۱۹۴۷ء تک جب تک برطانوی وزیر اعظم نے تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ سر ظفر اللہ انڈین فیڈرل کورٹ کے جج تھے اور جج کی حیثیت سے کسی قسم کی سیاسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے۔ ۳ر جون ۱۹۴۷ء کے بعد آپ استعفیٰ دے کر نواب بھوپال کے آئینی مشیر بن گئے۔ انگریز ان کی خدمات والیانِ ریاست ہائے ہند کے مفادات کے تحفظ اور برطانوی حکومت کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات کے سلسلے میں معاہدات کی تشکیل کے لئے مستعار لینا چاہتا تھا۔ لیکن آزادی کے ایکٹ اور لیبر حکومت کے دیگر اعلانات سے سیاسی صورتِ حال بدل گئی۔ سر ظفر اللہ نے انگریز گورنر پنجاب اور دیگر افسروں کے اشارے پر پنجاب کی سیاست میں قدم جمانے کے لئے راہ ہموار کی سر خضر حیات کو استعفیٰ کا مشورہ دیا اور خود چیف منسٹر بننے کی امید لگا بیٹھے۔

سر ظفر اللہ کٹر قادیانی تھے مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے پر ایمان رکھتے تھے اسی لئے قائد اعظم کا جنازہ نہ پڑھا۔ قادیانیوں کو سروسز میں لانے اور جماعت کے لئے سیاسی اور مادی فوائد کے حصول میں کوشاں رہے۔ عجم کے کرنل لارنس اور برطانوی سامراج کے عظیم حاشیہ بردار تھے۔ آپ استحصالی، اسلام دشمن اور حریت کش طبقات کے ترجمان اور آزادی کے متوالوں کے سخت مخالف تھے۔ برطانیہ، امریکہ، اسرائیل اور قادیانی خلیفوں کے درمیان اہم رابطہ تھے۔ آپ کے ذاتی کردار کے بارے میں اگر کسی صاحب کو دلچسپی ہو تو ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء کے الفضل قادیان اور پیغام صلح لاہور ملاحظہ کرے۔ خاص طور پر اس زمانے کی تحریرات جبکہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء پر آپ نے مرزا محمود کو روپوں کی تھیلی پیش کی اور لاہوری امیر جماعت محمد علی نے آپ کو باہمی اختلافات میں ثالث بننے کی ایک دعوت دی۔

بیاد مجلس شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

علمی و روحانی ترقی کے تین اصول

۱۴ جولائی ۸۵ء - بعد العصر مجلس فیض و برکت میں حاضری کی توفیق ہوئی - دارالعلوم کے بعض اساتذہ، طلبہ اور دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں کا ہجوم تھا، مجھ پر نظر پڑی، تو قریب بلایا نئے تعلیمی سال کی مناسبت سے دارالعلوم کے انتظامی تعلیمی اور طلبہ کی اخلاقی تربیت سے متعلق بعض ضروری ہدایات ارشاد فرمائیں۔

طالبانِ علوم نبوت کی علمی و روحانی ترقی، حصول کمال، علم میں پختگی اور خدمت دین اور اشاعت فیض کی دعائیں فرماتے رہے - اور اسی دوران یہ بھی ارشاد فرمایا - جب تحصیل علم کے دوران تین آداب کو ملحوظ رکھا جائے تب صلاحیت نکھرتی، استعداد جلا پاتی اور علمی و روحانی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں۔

۱- استاد کا ادب - ۲- مسجد اور درس گاہ کا ادب - ۳- کتاب کا ادب۔

محب یا محبوب ارشاد فرمایا، ادب قلبی کیفیت اور باطنی محبت کا مظہر ہوتا ہے اس لئے تحصیل علم کے دوران طالب علم کے لئے چاہیے کہ اپنے استاد کی محبت کو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جگہ دے اور اس کا دل و جان سے عاشق بن جائے - یا اعمال اور خلوص و محبت کا ایسا مظاہرہ کرے کہ استاد کے دل میں جگہ پالے اور استاد کا محبوب بن جائے۔

مگر پہلی صورت کہ اپنے استاد سے عشق و محبت اور وارفتگی میں دیوانگی و جنون کی حد تک پہنچ جائے دوسری صورت کی نسبت بے حد نافع اور مفید ہے - ایسے طلبہ علم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا فیض بھی زیادہ پھیلتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ عظمت، مقام و مرتبہ، خدمت و اشاعت دین اور فیض و افادہ میں تمام صحابہؓ سے بڑھ کر ہیں جب کہ حسنینؓ گو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں لاریب صحابی، خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں علم و فضل اور رتبہ و مقام کے لحاظ سے عظیم تر مقام پر فائز ہیں - مگر اس کے باوجود حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب مخلص اور عاشق صادق تھے۔

ان کی ہر ادا، عاشقانہ، اور حضور ؐ سے تعلق کا ہر پہلو دیوانگی کی حد تک محبانہ تھا۔ ان کے عشق و محبت اور پرخلوص وارفتگی کے واقعات سے سیرت و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جب کہ حضرت حسنین ؓ خونی رشتہ کے ناطے حضور اقدس ؐ کے نواسے اور مطلوب و محبوب تھے۔ اس لئے فیض و افادہ، اور خدمت و اشاعت دین کے جو بلند مقام حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حاصل ہوا وہ حضرات حسنین ؓ کو حاصل نہ ہو سکا۔

برادران یوسف کی تمثیل سے مسئلہ کی وضاحت

ارشاد فرمایا۔ برادران یوسف ؑ، چاہتے تھے کہ حضرت یوسف ؑ کی طرح وہ بھی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام (جو ان کے شیخ و مربی اور استاد بھی تھے) کے مطلوب و محبوب بن جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اور اس مرتبہ محبوبیت تک رسائی کے لئے ان سے باوجود علم و فضل اور دانائی کے یہ اجتہادی غلطی ہوئی کہ انہوں نے حضرت یوسف ؑ کو راستے سے ہٹا دینے کا فیصلہ کر لیا، اور انہیں کنوئیں میں ڈال دیا۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ وہ اپنے والد سے مال جائیداد، باغات یا سونا و چاندی اور حصول سلطنت اور میراث و ترکے کے خواہشمند تھے۔ بلکہ ان کی غرض صرف یہی تھی کہ جب یوسف علیہ السلام راستہ سے ہٹ جائیں گے تو حضرت یعقوب ؑ کی توجہ و عنایت اور شفقت و محبت ان ہی پر مبذول ہوگی اور اس طرح وہ حضرت یعقوب ؑ کے محبوب بن جائیں گے۔ اس طرح ان کے نظر کرم اور توجہ و شفقت سے وہ بھی ایک روحانی ترقی حاصل کر لیں گے۔ اور صالحین بن جائیں گے۔

اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضاً یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہٖ قوماً صالحین ۝

(سورۃ یوسف آیت ۹)

ترجمہ۔ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ۔

مگر یہ ان سے اجتہادی خطا ہوئی۔ کسی کی نظروں میں آنے اور محبوب بننے کا یہ طریقہ نہیں جو برادران یوسف ؑ نے اختیار کیا تھا۔ بلکہ کسی کے محبوب و مطلوب بننے کے لئے بھی پہلی صورت کا اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ خدمت، اطاعت، خلوص محبت، وارفتگی، جاں نثاری اور جاں سپاری کے بعد محب صادق، محبوب کے دل میں جگہ پاکر اپنے محبوب کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔

چونکہ برادران یوسف ؑ عشق و محبت اور اطاعت و جاں نثاری اختیار کئے بغیر محبوب بننا چاہتے تھے اس لئے ان کا فیض و افادہ بھی کم رہا۔ اگر محبوب بننے کے بجائے محب بن جاتے، وفاداری اور عشق و محبت کا مظاہرہ کرتے تو یقیناً ان کو بھی روحانی بلندیاں حاصل ہو جاتیں۔

دعائیں حاصل کرنے کا وقت

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ استاذ العلماء مولانا رسول خان ؒ صاحب

دارالعلوم دیوبند میں دوران درس اکثر فرمایا کرتے :-

کہ دیوبند میں ہزاروں طلبہ نے ہم سے سبق پڑھا مگر طلب علم کے ایام میں نہ ہمارے قریب آتے نہ اپنا تعارف کرایا نہ استاد کو پہچانا۔ بس ضابطے کا تعلق رکھا گھنٹہ میں حاضر رہے پھر چلے گئے۔ جب یہاں سے فارغ ہوتے، سند لی تدریس تبلیغ اور قضا وغیرہ کی ذمہ داری سر پر آئی تو لگے ہم کو خط لکھنے، کہ دعا کرو کہ خدا ہمیں کامیاب کرے اور شرمندگی و رسوائی سے بچائے۔

دعائیں تو ہم اس وقت بھی کر دیتے ہیں اور دل سے کرتے ہیں اور ان کی طالب علمی کے زمانے میں بھی کرتے تھے۔ مگر جب دعا لینے کا وقت تھا اس وقت تو سامنے آتے نہیں استاد کو پہچانا نہیں جب وقت چلا گیا تو لگے دعائیں حاصل کرنے۔

مشتبہ چیز سے اجتناب | ۱۴ر جولائی ۱۹۸۵ء۔ ایک فوجی کرنل دفتر اہتمام میں حاضر خدمت ہوئے ان کے ہمراہ دوسرے فوجی افسر بھی تھے۔

فوجی کرنل نے حد درجہ خلوص و محبت سے درخواست پیش کی، میری ایئر کنڈیشنڈ کار ہے بھیج دیا کروں گا جو دارالعلوم کے اوقات کار میں آپ کو گھر سے لایا اور لے جایا کرے گی۔ اس کے علاوہ آپ جب اسمبلی کے اجلاس کے لئے راولپنڈی جائیں یا کوڑہ سے باہر کہیں جانے کا کوئی سفر درپیش ہو تو میری موٹر حاضر ہے اور میں اسے اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حکیمانہ انداز سے ان کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے معذوری کر دی اور فرمایا۔ آپ ہرگز موٹر بھیج کر تکلیف نہ کریں سواری مل جاتی ہے اور جب بھی ایسی کوئی ضرورت پیش آئی تو ہم خود آپ کو اطلاع کر دیں گے۔

میں حیران تھا کہ جب حضرت کے پاس اپنی سواری نہ ہونے کی وجہ سے موٹر کی ضرورت بھی ہے ضعف و علالت، شدت کی گرمی اور عمر کے طبعی تقاضوں کے پیش نظر ایئر کنڈیشنڈ موٹر ہی ہونی چاہیئے اور جب ایک شخص آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ حضرت کی خدمت کے لئے اپنی موٹر پیش کرے جب کہ وہ ایئر کنڈیشنڈ بھی ہے اور حضرت کے لئے موزوں بھی، مگر پھر بھی آپ انکار کر رہے ہیں۔ جب مہمان چلے گئے تو میں حضرت مدظلہ سے کسی نہ کسی طرح اس انکار و معذرت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ باتیں چھیڑیں عنوان بدلے، آخر یہ بات معلوم کر لی کہ ان کی پیش کش قبول کرنے سے کس لئے معذرت کر دی گئی۔ وجہ یہ تھی :-

کہ ان کی موٹر اپنی نہ تھی سرکاری تھی حضرت مدظلہ نہیں چاہتے تھے کہ جس گاڑی کے استعمال کی انہیں صرف سرکاری امور میں استعمال کرنے کی اجازت ہو وہ گاڑی غیر سرکاری کاموں میں استعمال کی جائے۔

حقائق السنن (تقریری ترمذی) پر کام کرنے کا اہتمام | ۲۰ر فروری ۱۹۸۴ء۔ آج شدت کی سردی تھی، بارش

برس رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ قریبی علاقوں میں برف پڑ رہی تھی۔ سردی ناقابل برداشت تھی۔ خیال تھا کہ آج حضرت شیخ الحدیث مدظلہ گھر سے تشریف نہ لا سکیں گے۔ اور عصر کی مجلس قائم نہ ہو سکے گی۔ اور نہ مسودات ترمذی پر کام ہو سکے گا۔ تاہم حضرت مدظلہ کے حسب معمول تشریف لانے کا احتمال بھی تھا۔ اس لئے خود کمبلوں میں لپٹ کر قدیم دارالعلوم حقانیہ (مسجد حضرت شیخ الحدیث) میں حاضر خدمت ہوا، آپ حسب معمول تشریف لائے تھے مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا۔

شدت کی سردی اور ٹھنڈی ہوا سے موسم بے حد خراب ہے ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ ایسے موسم میں احتیاط برتی جائے کہ فالج کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر آپ کے آنے کا خیال غالب تھا کہ دارالعلوم سے آپ سردی میں مسودات لا کر آئے ہوں گے۔ اس احساس کی بنا پر خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے نکل آیا ہوں۔ حاضرین سے فرمایا دعا کریں کہ اللہ پاک تقریر ترمذی کی تکمیل کا کام آسان کر دے اور بااحسن وجوہ اس کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرمادے۔ زیر بحث "باب التیمم" تھا۔ مسودہ سنا، جگہ جگہ اصلاح فرمائی۔

اذان میں بلال رضؓ کی اور امامت میں حضور ﷺ کی نیابت ہے

اسی روز جنوبی وزیرستان سے دارالعلوم کے ایک فاضل سید مرجان برکی بھی اپنے رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت تھے۔ انہی کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ:-

مؤذنی سے امامت افضل ہے، اذان دینا اپنی جگہ اہم، ضروری فضل و شرف اور ثواب عظیم کا باعث ہے۔ مگر امامت اس سے بڑھ کر افضل اور موجب ثواب و خیر و برکت ہے۔ اذان میں حضرت بلالؓ کی نیابت ہے اور امامت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔

قرآن پڑھانے کی فضیلت

سید مرجان نے عرض کی حضرت آپ کی دعاؤں کی برکت سے وہیں اپنے شہر میں بچوں کو قرآن پڑھانے کی خدمت کا موقع بھی اللہ پاک نے مرحمت فرمایا ہے۔ تو ارشاد فرمایا:-

آپ جو نابالغ بچوں کو قرآن پڑھا رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انہیں مسلمان بنا رہے ہیں بچہ کلمہ سیکھنے سے پہلے مسلمانی سے ناواقف ہوتا ہے پھر کلمہ پڑھ لینے اور اسلامی فکر اپنا لینے سے گویا مسلمان ہو جاتا ہے اگر آپ کو اللہ نے ہزار بچوں کو قرآن پڑھا دینے کی سعادت بخش دی ہے تو کل روز محشر میں جب پوچھا جائے گا کہ کیا لائے ہو تو آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ پیش کر دیں گے کہ اے اللہ! آپ کے فضل و کرم اور مہربانی و توفیق سے ایک ہزار بچوں کو قرآن پڑھایا۔ گویا ایک ہزار افراد کو مسلمان بنایا اور اب وہی پیش خدمت ہیں۔ تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر خصوصی انعامات سے نوازے جاؤ گے وہ تو ہمارے تصور سے بھی باہر ہیں۔

ابوارقم انصاری۔ کراچی

نفاذ فقہ جعفریہ کی تحریک

یا نفاذِ اسلام (قرآن و سنّت) کے خلاف مسلح مہم؟

۱۲/ جولائی ۸۵ء کے اخبارات میں وفاقی وزیر داخلہ جناب اسلم خٹک صاحب کا وہ بیان شائع ہوا جو انہوں نے پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا (سینیٹ) میں کوئٹہ کے حالیہ واقع پر دیا تھا۔ وزیر داخلہ کے بیان سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ۶/ جولائی ۸۵ء کو اہلِ تشیع نے "فقہ جعفریہ" کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے مسلح جلوس نکالا اور پولیس پر فائرنگ کی جس نے جوابی کارروائی کی اور اس طرح دونوں جانب سے ۲۲ آدمی ہلاک ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ اہلِ تشیع کے اس غیر قانونی اقدام میں ایک بیرونی طاقت شریک تھی۔

تیسرے یہ کہ اہلِ تشیع کے اس مسلح اقدام کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لئے ۸۰ء کی محاذ آرائی میں ان کے لیڈر جناب جعفر حسین نے حکومت سے اتفاق کر لیا تھا کہ ملکی قانون میں تو صرف قرآن و سنت یعنی سنی مسلک ہی ہو گا۔ مگر شخصی قانون میں شیعہ مسلک پر کوئی پابندی نہ ہو گی۔ سوال یہ ہے کہ مسئلہ طے پا نے کے بعد یہ تازہ مسلح مہم کیوں چلائی گئی؟

صحیح صورت حال کے لئے اگر وزیر داخلہ کے مذکورہ بیان کو ماضی کے واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ کوئٹہ میں تازہ مسلح مہم دراصل پاکستان میں جاری کردہ نفاذ اسلام کے خلاف پرانی سازش ہے جس کو اندرونی اور بیرونی دشمنان مل کر چلا رہے ہیں۔ کوئٹہ کی حالیہ تخریب کاری سے کچھ پہلے سازش کا مرکز کراچی تھا جہاں ۱۵/ اپریل ۸۵ء کو منی بس سے ایک شیعہ لڑکی بشریٰ زیدی ہلاک ہو گئی تھی۔ اس حادثاتی ہلاکت کی آڑ میں شر پسندوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا اور درجنوں مسلمانوں کو ہلاک کر دیا۔ اس سے قبل اسی کراچی میں جنوری ۸۳ء میں مرکزی امام باڑہ لیاقت آباد سے سنّی مسلمانوں پر فائرنگ کی گئی تھی۔ اور تلاشی پر امام باڑے سے اسلحہ برآمد ہوا تھا جس کی تفصیل حکومت کے پریس نوٹ میں بھی بتائی گئی تھی۔ اس سے پہلے جولائی ۸۰ء میں اہلِ تشیع نے اپنا مطالبہ بزورِ قوت منوانے کے لئے ایوانِ صدر کا گھیراؤ کیا تھا۔ لیکن اس وقت صدر ضیاء الحق صاحب کی فراست سے خونیں ڈرامہ کھیلا نہ جا سکا۔ اور شیعہ لیڈر جناب جعفر حسین نے حکومت کا مندرجہ بالا فارمولا تسلیم کر لیا تھا۔

۸۰ء سے ۸۵ء تک کے مندرجہ بالا غیر قانونی واقعات کے پس پردہ سازش یہ تھی کہ نفاذ اسلام (قرآن و سنّت) کو ناکام بنایا جائے جس کا آغاز صدر ضیاء الحق صاحب نے ۷۹ء میں کیا تھا۔ ابتداءً غیر سودی معیشت

سے ہوئی۔ اور پھر نظام زکوٰۃ نافذ کر دیا گیا بس پھر کیا تھا اہل تشیع نے زکوٰۃ کے خلاف ہنگامہ بپا کر دیا۔ حالاں کہ زکوٰۃ نہ صرف اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے بلکہ اس کے ادا نہ کرنے والوں سے اسلامی ریاست جہاد بھی کر سکتی ہے جس کا فیصلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن و سنت سے فرما دیا تھا اس کے باوجود اہل تشیع نے حکومت پاکستان پر زور ڈال کر خود کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرا لیا۔ اور یہ یوں نفاذِ اسلام کو ناکام بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو ۸۰ء سے آج ۸۵ء تک جاری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے خلاف یہ مسلسل مہم اور محاذ آرائی کیوں جاری و ساری ہے؟ کیا اہل تشیع مسلمان نہیں؟ کیا ان کے عقائد کا تعلق اسلام سے نہیں ہے؟ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن و سنّت ہے اور یہ سنّی مکاتب بھی ہے۔ پھر یہ کہ دین اسلام میں کلمہ طیبہ، اللہ کی الوہیت، توحید، رسالت، آخرت اور الکتاب (قرآن مجید) مبادیات دین ہیں جن میں نہ کوئی کمی بیشی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی ترمیم و تحریف۔ اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی کسوٹی پر شیعہ عقائد کو بہ آسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ شیعہ عقائد کی تفصیل ان کے بچوں کی مذہبی درسی کتب اور جناب خمینی کی جدید ترین کتابوں سے لے کر ان کی قدیم ترین اور مستند ترین کتاب "الکافی" مصنفہ یعقوب کلینی (۲۵۰ھ تا ۳۲۹ھ) میں موجود ہے۔ ان تمام شیعہ کتب کی تعلیمات اور معتقدات کا نچوڑ اور مختصر خلاصہ درج ہے۔ جو قابلِ توجہ ہے۔

۱۔ اولین اور اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں کلمہ طیبہ جو اسلام کی بنیاد ہے بدل دیا گیا اور اس میں اضافہ کر کے کلمہ طیبہ کو یوں بنایا گیا۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ علی ولی اللہ ووصی رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل"

یہ ہے تحریف کردہ شیعہ کلمہ جس کے خط کشیدہ اضافی الفاظ شیعہ اذان میں بھی لئے جاتے ہیں اور جو ہر شخص ہر روز سنتا رہتا ہے۔ اس شیعہ کلمہ و اذان کی تعلیم نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ اس شیعہ کلمہ سے نہ صرف کلمہ اسلام مسخ ہو جاتا ہے بلکہ رسالت مآب کا انکار بھی ہو جاتا ہے اس شیعہ کلمہ میں حضرت علی کو خلیفہ رسول بلا فاصلہ بنا کر پہلے تینوں خلفائے راشدین کی نفی بھی کی گئی ہے اور انہیں یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو خلافت کے غاصب بھی قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت مسجد نبوی سونپ کر خلیفہ اول (خلیفہ بلا فصل) کا فیصلہ اور حکم رسالت صادر فرما دیا تھا۔ لہذا شیعہ کلمہ کا انکارِ خلیفہ اول سراسر انکارِ رسالت ہو جاتا ہے۔ اس میں انکارِ رسالت بھی ہے۔ انکارِ خلفائے ثلاثہ بھی ہے اور جملہ صحابہ کرام کا بھی انکار ہے جنہوں نے اپنے ان خلفاء سے بیعت کی تھی۔ مزید برآں جب رسالت پر ہی ایمان نہ رہے تو ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی

ایمان نہیں رہتا۔ مختصر یہ کہ شیعہ کلمہ نے تمام ذرائع اسلام یعنی خاتم النبیین، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سب کی نفی کر کے خود اسلام ہی کی نفی کر دی۔ اور اس طرح کلمہ اسلام کو کلمہ کفر میں تبدیل کر دیا ہے۔

۲۔ کلمۂ طیبہ کی طرح قرآن مجید بھی اسلام کی اساس ہے۔ ہر چند کہ کلمہ طیبہ میں مذکورہ تحریف و ترمیم سے قرآن مجید پر بھی ایمان نہیں رہتا تاہم شیعہ مذہب میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے۔ اور یہ کہ اصل قرآن تو موجودہ قرآن سے تین گنا ہے۔ مزید یہ کہ اصل قرآن میں سترہ ہزار آیات ہیں اور جس میں ایک لفظ بھی موجودہ قرآن کا نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اصل قرآن تو" امام غائب" لے کر غائب ہو گیا ہے۔ اور وہ اسے قرب قیامت لے کر واپس آئے گا۔ اور پڑھ کر سنائے گا۔ تو سب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اصل قرآن میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔

۳۔ چونکہ قرآن مجید اور رسالت محمدیؐ (کتاب و سنت) مسلمانوں کے لئے تا قیامت دائمی حجت ہیں، چنانچہ شیعہ مذہب میں ان دونوں ماخذ اسلام کی صرف نفی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان دونوں پر مستقل خط تنسیخ پھیرنے کے لئے ایک دائمی سلسلہ امامت و ہدایت تا قیامت بنا یا گیا۔ اس سلسلہ امامت میں حضرت علیؓ اور دیگر بزرگان اسلام کا نام بطور شیعہ ائمہ ناجائز طور پر استعمال کیا گیا اور پھر ان ائمہ کو نہ صرف یہ کہ انبیاء کی طرح معصوم اور صاحبان وحی قرار دیا گیا۔ بلکہ انہیں تمام انبیاء و رسل سے افضل بتایا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ ان ائمہ کو ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلند و بالا اور ارفع ثابت کرنے کے لئے کہا کہ ائمہ کو ہر ہفتے معراج ہوتی ہے جب کہ خاتم النبیین کو زندگی میں صرف ایک بار معراج ہوئی تھی اور یہ کہ ان کے ائمہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں جس میں ان کی اطاعت فرض اور واجب ہے۔ اس طرح شیعہ مذہب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تا قیامت پر ائمہ کی بالادستی قائم کی گئی۔ اور اس کے بعد ائمہ کا رشتہ الوہیت سے جوڑ دیا گیا۔ مثلاً شیعہ مذہب کے مطابق ائمہ عالم الغیب ہیں، وہ کون و مکان سے پورے واقف ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ وہ جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں۔ یا جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ اور وہ کائنات کے ذرّے ذرّے پر حکمران ہیں۔ غرضیکہ شیعہ مذہب نے الوہیت الٰہی کا انکار کر کے توحید کو شرک بنا دیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کی الوہیت ہو یا کلمہ طیبہ کی صداقت، رسولؐ کی رسالت ہو یا خلفائے راشدین کی خلافت اور قرآن کریم کی ہدایت ہو یا صحابہ کرام کی حقانیت، اہل تشیع نے پورے کے پورے اسلام پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ اسلام کو رد کرنے کے اس منفی طریق کار سے جو مذہبی خلا پیدا ہوا اس کو مثبت طریقے سے پُر کرنے کے لئے ایک نئے مذہب کی ضرورت پڑی۔ لہذا ایک مذہب ایجاد کر کے اس کا نام " فقہ جعفریہ " رکھ دیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کو یہ مغالطہ ہو کہ یہ اسلام کا ہی کوئی فقہ اور فرقہ ہے۔ اس فقہ کا لب لباب آگے موجود ہے۔

۴۔ فقہ جعفریہ کی اصل بنیاد اصولِ تقیہ (منافقت) ہے فقہ جعفریہ کے بموجب شیعہ مذہب کے نوّے فیصد (۹۰٪) حصہ صرف اس ایک اصول تقیہ پر مشتمل ہے۔ تقیہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے قول وفعل سے اصل حقائق کے خلاف ظاہر کیا جائے یہاں تک کہ اپنے اصل عقائد کے خلاف بھی عملاً ظاہر کیا جائے تاکہ دوسروں کو دھوکہ دیا جائے چنانچہ اس فقہ یا مذہب کے پیروکار تقیہ کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ہوا اس مذہب کا نوے فیصد فریضہ لازم۔

۵۔ بقیہ دس فیصد شیعہ فرائض مشتمل ہیں بقیہ دو اصولوں پر، ایک اصول تبرّا۔ اور دوسرا اصول متعہ: یہاں تبرّا کی حقیقت پیش کی جارہی ہے اور اگلے نکتے میں متعہ بیان کیا جائے گا۔ تبرّا یہ ہے کہ دین اسلام (قرآن وسنت) کے پیروکاروں کے خلاف عداوت رکھنا۔ ان سے نفرت کرنا اور ان پر لعن طعن کرنا خصوصاً صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کرنا اور زبان سے باقاعدہ لعنت وملامت کرنا۔ بالفاظ دیگر تبرّا کا دوسرا نام گالیاں بکنا ہے۔ جس کے لئے شیعہ مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان گالیوں کی نوعیت کا اندازہ چند شیعہ نظریات سے کیا جاسکتا ہے جو بزرگانِ اسلام سے متعلق ہیں۔ مثلاً یہ کہ تمام صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفاء ثلاثہ کافر ومرتد اور جہنمی ولعنتی ہیں۔ یہ کہ کفر سے مراد ابوبکر، فسق سے مراد عمر اور عصیان سے مراد عثمان ہیں۔ یہ کہ عائشہ اور حفصہ (امہات المومنین) منافقہ تھیں۔ یہ کہ ابوبکر کی بیعت سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی۔ اور علی نے وہ ہی بیعت بطور تقیہ کی تھی۔ بزرگانِ اسلام کے خلاف شیعہ تبرّا یعنی بغض وعناد اور لعنت وملامت کی انتہا یہ نظریہ وعقیدہ ہے کہ "امام غائب" جب ظاہر ہوں گے تو شیخین (ابوبکر اور عمر) کو قبروں سے نکالیں گے اور زندہ کریں گے پھر ان دونوں کو ہزاروں بار سولی پر چڑھائیں گے۔ استغفر اللہ۔ ان چند اشاروں سے ہی اصول تبرا کی گالیوں اور غلاظتوں کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

۶۔ تقیہ اور تبرّا کے بعد وہ آخری اصول جس سے شیعہ مذہب (فقہ جعفریہ) مکمل ہوجاتا ہے وہ ہے اصول متعہ۔ متعہ کا مطلب ہے عارضی مدت کے لئے مرد اور عورت کا باہمی جنسی تعلق، خواہ یہ جنسی تمتع گھنٹہ بھر کا ہو یا چند گھنٹوں کا اور خواہ یہ جنسی تلذذ ایک رات کے لئے ہو یا چند راتوں کے لئے۔ اہل تشیع کے ہاں یہ عمل زنا نہیں، اعلیٰ درجے کی عبادت ہے جس کا ثواب یہ ہے کہ جو ایک دفعہ متعہ کرے وہ حسین کا درجہ پائے۔ جو دو مرتبہ کرے وہ حسن کا۔ جو تین بار کرے وہ علی کا۔ اور جو چار مرتبہ متعہ کرے وہ رسول کا درجہ پائے گا۔ استغفر اللہ تقیہ اور تبرّا جیسے غیر اخلاقی اصولوں کے بعد یہ ہے وہ غلیظ اصولِ متعہ جس سے شیعہ مذہب تکمیل پاتا ہے غرضیکہ درج بالا چھ نکات میں وہ شیعہ مذہب مضمر ہے جسے حضرت جعفر صادق کے نام سے منسوب کر کے فقہ جعفریہ بنا دیا گیا ہے۔ اور جس میں حضرت علی کو امام اول ظاہر کیا گیا ہے۔ حالاں کہ مذکورہ خرافات کا تعلق نہ

حضرت علی سے ہے اور نہ حضرت جعفر صادق سے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی خرافات سے کسی بھی صحیح الدماغ آدمی کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ان لوگوں کی ذہنی اپج ہے جو روز اول سے غلبۂ اسلام کو سبوتاژ کرتے چلے آئے ہیں اور اسلام سے خوف زدہ ہو کر خود اسلام کو ہی مسخ کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا آج بھی انہیں اہل اسلام یعنی قرآن و سنت کا نفاذ گوارا نہیں اور اسی لئے وہ مفسدین کوئٹہ میں مسلح مہم تک جا پہنچے۔ بقول وزیر داخلہ جناب اسلم خٹک صاحب یہ اہل تشیع ملک میں قرآن و سنت (سنی مسلک) سے خائف ہیں تاہم وزیر داخلہ نے بجا طور پر ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا سرکاری اعلان فرمایا ہے جو از سر نو شیعہ مسئلہ کا جائزہ لے گی تاکہ نفاذ اسلام کی تکمیل کو یقینی بنایا جا سکے۔ مسئلہ کے مستقل حل کے لئے اس سرکاری کمیٹی کی خدمت میں تین تجاویز حاضر ہیں۔

الف۔ چونکہ پاکستان کے آئین میں قرآن و سنت (سنی مسلک) ہی ملکی قوانین کی اساس ہے اس لئے اس کے خلاف کوئی بھی مطالبہ اور مہم قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔ البتہ شخصی قوانین میں اہل تشیع کو بھی دوسری اقلیتوں کی طرح آزادی دی جائے، بشرطیکہ حکومت پاکستان کے صدارتی آرڈیننس مجریہ ستمبر ۱۹۸۰ء برائے تحفظ ناموس صحابہ پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ اس صدارتی آرڈیننس کی رو سے نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام پر کھلم کھلا تبرا ممنوع قرار دیا جائے بلکہ شیعہ اذان بھی (جس میں علی الاعلان حضرت علی کو خلیفہ بلافصل کہہ کر خلفائے ثلاثہ کو غاصبین خلافت کہا جاتا ہے) فی الفور ممنوع قرار دی جائے۔ ان پابندیوں کا اطلاق ابلاغ عامہ، مجالس اور جلوسوں پر بھی ہو۔

ب۔ جہاں تک اہل تشیع کے سیاسی حقوق کا تعلق ہے تو اس کے لئے فیاضی اور فراخ دلی کا تقاضا تو یہ ہے کہ انہیں پاکستانی آبادی کا صرف دو فیصد ہوتے ہوئے بھی وہ کچھ دے دیا جائے جو شیعہ ایران میں سنی مسلمانوں کی چالیس فیصد آبادی کو آج کل حاصل ہے۔ ایران میں آج کل کوئی سنی مسلمان نہ رکن اسمبلی ہے۔ نہ وزیر ہے۔ نہ گورنر ہے اور نہ ہی کوئی اور کلیدی عہدے پر فائز ہے۔ وہاں تو سنی مسلمانوں کو مسجد بھی بنانے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ سب سے بڑے شہر تہران میں ان سنی مسلمانوں کی ایک بھی مسجد ابھی تک نہیں ہے۔ اس صورت حال کے باوجود پاکستان میں بہتر یہ ہوگا کہ اہل تشیع کے ساتھ فیاضی و فراخدلی سے بڑھ کر احسان کا سلوک کیا جائے۔ یعنی یہ کہ انہیں کلیدی مناصب سے تو فارغ کر دیا جائے مگر اسمبلی میں ان کو دو فیصد نشستیں ضرور دی جائیں۔ اور یہ کہ ان کے موجودہ تمام امام باڑے برقرار رکھے جائیں بشرطیکہ مندرجہ بالا شق (الف) کی جملہ پابندیاں روبہ عمل لائی جائیں اور امام باڑے اسلحہ سے پاک رکھے جائیں۔

(ج) اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز کے مطابق جو دولت مند اہل تشیع اور دیگر اقلیتیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں ان سے ڈھائی فیصد فلاح معاشرہ ٹیکس وصول کیا جائے تاکہ وہ بھی اس ملک کو اپنا ہی ملک سمجھیں۔ ⁂
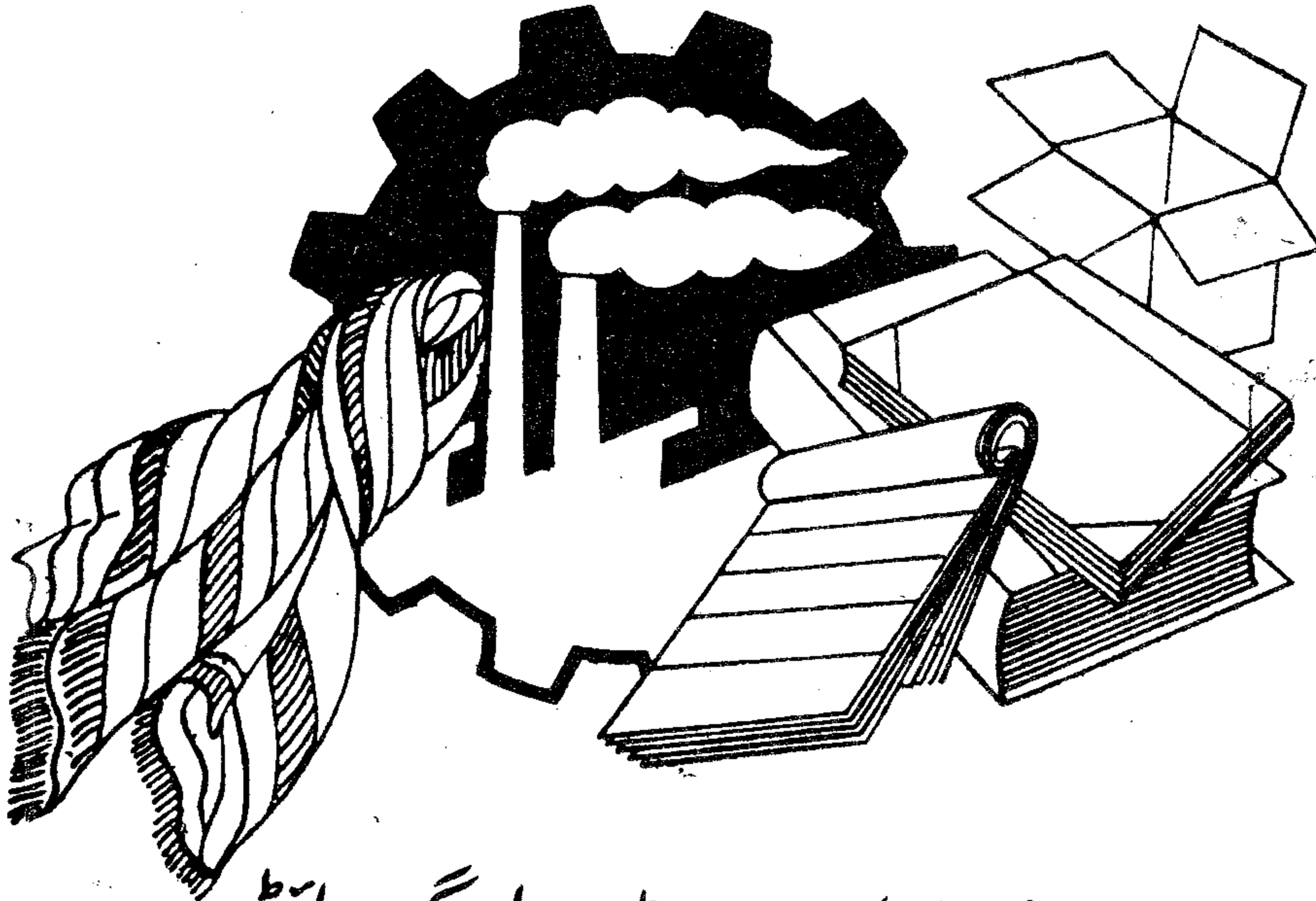
قسط ۷ — از جناب مدد اللہ صاحب مددآر

پرویز منکرِ حدیث ہے یا منکرِ قرآن؟

ایک تنقیدی جائزہ

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے معنی ۵۰۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲/۱۳۱) جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ جھک جاؤ۔ تو وہ پکار اٹھا کہ اس خدا کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں جو تمام بنی نوع انسان کی نشوونما کا کفیل ہے۔ (معارف القرآن ص۱۶۰)

جب کہ آیت کریمہ کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہو جاؤ تو وہ بولے۔ کہ میں حکم بردار ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کا"

آیت میں لفظ اَسْلِمْ اور اَسْلَمْتُ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ باب افعال سے ہے۔ اور اس کا مصدر اسلام ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اس کی دو نوعیں بتائی ہیں۔ نوعِ انسانی کے متعلق فرمایا

"وھو ان یکون مع الاعتراف اعتقادًا بالقلب ووفاءً بالفعل والاستسلام للہ فی جمیع ما قضٰی وقدّر (مفردات ص۲۱۰)

"اسلام اعتراف کے ساتھ اعتقادِ قلبی، ایفائے عملی اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے سامنے گردن نہاد ہونا ہے"

اس اعتراف سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف قانونِ خداوندی کے سامنے سر جھکانا نہیں بلکہ ایفائے عملی کا نام ہے۔ اور تمام احکام الٰہی پر پورا پورا عمل کرنا ہے۔ اور اسی معنٰی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لفظ اَسْلَمْتُ کہا تھا۔ کہ میں پروردگارِ عالم کے حکم کو جان و دل سے تسلیم کرتا ہوں اور زندگی بھر اس پر پورا پورا عمل بھی کروں گا۔

لیکن پرویز اسلام کے ایک پہلو کو تو لیتا ہے یعنی قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا۔ لیکن وہ ایفائے عملی یعنی اس پر پورا پورا عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اور عملی اسلام سے گریز کر رہا ہے اور یہاں یہ بھی

نہ بھولے کہ قوانین خداوندی سے اس کی مراد قوانین طبیعی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"خدا کی طرف سے مقرر کردہ قوانین فطرت کائنات کے پتے پتے پر تحریر اور ذرے ذرے پر منقوش ہیں۔ جس کا جی چاہے انہیں پڑھ لے۔ اسی کو علم الطبیعات اور سائنس کہا جاتا ہے" (کتاب التقدیر ص ۴۲)

اس حقیقت کے پیش نظر پرویز کا یہ ظلم عظیم اور شدید گستاخی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ رب العالمین کے سامنے نہیں بلکہ قوانین طبیعی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے۔

سبحانک ھٰذا بہتان عظیم

آخرت کے معنی آخر الامر | ۵۱۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اور آخر الامر اس کی جگہ ان لوگوں میں ہوگی جو تباہ و نامراد ہوں گے (معارف القرآن ص ۱۴۰)

پوری آیت یہ ہے :-

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

(آل عمران ۸۵)

"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا"

آیت میں اسلام سے مراد وہ دین اسلام ہے جس کی کتاب قرآن ہے اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب ہیں سب باطل ہیں اس آیت میں بڑی وضاحت اور تاکید کے ساتھ بتا دیا کہ جو فرد اور قوم اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے درپے ہیں وہ سب آخرت کے دن خائب و خاسر اور تباہ کاروں میں سے ہوں گے۔

لیکن پرویز یوم آخرت سے آخر الامر مراد لیتا ہے جب کہ آخر الامر ایک عمومی لفظ ہے جو یوم آخرت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرویز کو یوم آخرت یعنی قیامت کے دن پر ایمان اور یقین نہیں ہے اس لئے اس نے آیت کے مفہوم خاص کو مفہوم عام میں بدل دیا۔ اس ضمن میں پرویز کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو جس سے ہمارے اخذ کردہ نتیجے کی مزید تائید ہو رہی ہے۔

یوم آخر کا مفہوم | ۵۳۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ (۲۹/۳۶) ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا چنانچہ اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کرو۔ اور مستقبل کی زندگی اور قانون مکافات کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔

یوم الآخرت یعنی قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان درحقیقت تمام اصلاح وارتقاء کی اصل ہے (معارف القرآن صفحہ ۲۸)

اس آیت میں "یوم الآخر" کا یہ مفہوم بتایا کہ مستقبل کی زندگی اور قانون مکافاتِ عمل کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ جب کہ ماضی، حال اور مستقبل دنیوی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عالم آخرت کی زندگی ابدی ہو گی۔ اور آخرت کے زمین وآسمان کو بھی دوام حاصل ہوگا۔ اور جو چیز ابدی ہو۔ اس کو زمانے کے تغیرات سے سابقہ نہیں پڑتا۔ اس لئے اگر "یوم الآخر" سے مستقبل کی زندگی مراد لی گئی تو اس سے زمانۂ استقبال میں دنیوی زندگی ہی مراد ہوگی۔ کیونکہ دنیوی مستقبل کی زندگی انسان کی آخری زندگی نہیں ہے۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ آیت میں " وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ " کا لفظ آیا ہے۔ یعنی شعیب علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ

"تم قیامت کے دن کی توقع رکھو"

یعنی تم قیامت کے ہونے کا یقین کرکے اس دن کے لئے تیاریاں کرلو۔

اس لئے یوم سے زندگی اور آخر سے مستقبل مراد لینا نہ لغت عربی کے موافق ہے اور نہ آیت کا مدلول ہے۔ پھر پرویز نے صاف کہا ہے کہ یوم آخرت کے یہ معنی ہیں کہ قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان رکھا جائے۔ حالاں کہ قانون مکافات عمل پر تمام قومیں یقین رکھتی ہیں۔ لیکن آخرت کے دن پر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پرویز کو یوم آخرت پر ان معنوں میں ایمان نہیں ہے جو اہلِ اسلام کو ہے۔ اور جو قرآن کا مدلول ہے۔ اس کے علاوہ مستقبل کی زندگی کو بجز اہلِ ایمان اور اہل اسلام کے تمام دہری اور مادہ پرست لوگوں کا انکار ہے۔ جن میں پرویز بھی شامل ہے۔

عذاب یوم عظیم کے معنی | ۵۲۔ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۶/۱۵) اگر میں اپنے رب کے قوانین کی خلاف ورزی کروں تو میں بھی اس کے الم انگیز نتائج وعواقب سے ڈرتا ہوں۔ (معراج انسانیت ص ۷۱۹)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

" آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں "

اس آیت کے بعد متصل یہ آیت ہے۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿﴾

یعنی جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا۔ اور یہ صریح کامیابی ہے "

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اور یہ بڑا دن آخرت اور قیامت ہی کا دن ہے۔ اور فرمایا کہ قیامت

کے روز جس پر سے عذاب ہٹ گیا اس پر بڑی رحمت فرمائی اور یہ بہت بڑی کامیابی رہی۔

ان آیتوں میں قیامت کے دن کی تخصیص ایسی واضح صورت میں کی گئی ہے کہ کسی ملحد ہی کو اس سے انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن پرویز اس بڑے عذاب کے دن سے قوانین کی خلاف ورزی کے الم انگیز نتائج مراد لیتا ہے اور قرآن نے یوم آخرت کے متعلق جو واضح تصور دیا ہے اس کو لوگوں کے قلب و دماغ سے مٹانے کے درپے ہے۔

جنت سے انکار | ۵۳۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ (۴۱/۳۱) بہت بڑا وعدہ ہے۔ جو کچھ تم چاہو گے وہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ان تصریحات کے مطابق جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ مومن چاہے گا وہی جو مستقل اقدار خداوندی و مشیت ایزدی کے مطابق ہو گا۔ اس لئے وہ کسی غلط بات کو چاہے گا ہی نہیں۔ اور وہ مانگے گا وہی جس کے دینے کا خدا نے مومنین سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی ہر قسم کی خوشگواریاں، سرفرازیاں، رزق کریم تسلط و قوت و اقتدار یعنی قرآنی معاشرہ کی تمام برکات (کتاب التقدیر ص ۲۸۲)

اب پوری آیت پیش کی جاتی ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (حٰم سجدہ ۱۴)

"یعنی جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے بخشنے والے اور مہربان خدا کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔"

ان آیتوں میں جنتیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ جنت میں اہل جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں اور یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے بطور مہمانی کے ہو گا۔ آیت میں لفظ "فِيهَا" دو بار ذکر کیا گیا ہے۔ اور فیہا دو حرفوں سے مرکب ہے۔ فی اور ھا سے۔ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے اور ھا ضمیر واحد مونث غائب ہے جو جنت کی طرف راجع ہے۔ اس آیت سے ماقبل جو آیت ہے اس میں جنت کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا۔ "وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ" اس جنت کی بشارت سن لو۔

لیکن پرویز ان صریح آیات قرآنی سے جنت مراد نہیں لیتا جو آخرت میں خدا کے نیک بندوں کو ملے گی بلکہ اس سے دنیوی زندگی کی سرفرازیاں اور کامیابیاں مراد لیتا ہے۔ اور تسلط و قوت اور اقتدار کو جنت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس طرح قرآنی معاشرہ کی دوسری تمام برکات سے متمتع ہونا ہی جنت ہے۔ ظاہر ہے کہ تسلط و اقتدار کا تعلق زندگی سے ہے کیونکہ جنت میں کسی جنتی کا دوسرے جنتی پر تسلط اقتدار کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ جنتی زندگی کے منافی ہے اور قرآنی معاشرہ برپا کرنے کا تعلق بھی دنیوی زندگی ہی سے ہے۔ جنت سے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ پرویز کو قرآن کی بیان کردہ جنت سے انکار ہے۔

اور اس پر اس کا ایمان نہیں۔

۵۴ - وَسَارِعُوا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (۳/۱۳۳)	جنت کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ موجود ہے

اور اسی طرح اپنے نشوونما دینے والے کے سایۂ عاطفت میں جلدی سے پہنچ جاؤ۔ اور ربوبیت خداوندی کی اس جنت کو حاصل کرو جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے (مفہوم القرآن ص ۱۵۴)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

اس آیت میں جنت کے اثبات اور اس کی بے انتہا وسعت و فراخی کا بیان ہے اور کہا گیا ہے کہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو تقویٰ یعنی عمل و کردار کے لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہوں۔ لیکن پرویز قرآن کی اس بیان کی ہوئی حقیقت کا انکار کرتا ہے اور اسے ربوبیت خداوندی کی اس جنت کو قرار دیتا ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ پرویز آسمانوں کے وجود سے بھی منکر ہے جس کی تفصیل ہمارے مضمون کی ابتداء میں گذر چکی ہے۔ یہاں بھی مذکورہ آیت میں اس نے سماوات سے کائنات مراد لی ہے۔ تو وہ جنت اور آسمانوں دونوں کے وجود کا منکر ہے۔ اور قرآنی آیات کی تکذیب پر مُصر ہے۔

۵۵ - اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ	جنت سے مراد حکومت کی سرداریاں ہیں

وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ (۲۲/۲۳)

ان کے برعکس دوسرا گروہ مؤمنین کا ہے یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کی بنا پر ایسے معاشرہ میں رہیں گے جن کی شادابیوں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ اور انہیں حکومت کی سرداریاں ہونگی۔ جن کے سونے کے کنگن، موتیوں کے ہار اور حریر واطلس کے ملبوسات ہوں گے (مفہوم القرآن ص ۷۵۷)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور سچے موتی بھی اور وہاں ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔"

اس آیت میں بہشت کے باغوں اور ان کی نعمتوں اور ریشمی لباس کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تشریح میں تفسیر ابن کثیر نے حدیث صحیح نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :-

" ریشم تم نہ پہنو جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا "

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں " جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں نہ جائے گا کیونکہ جنت والوں کا لباس یہی ہے "

قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی جنت سے آخرت کی جنت ہی مراد ہے جس سے پرویز کو انکار ہے۔ اس کے نزدیک جنت سے دنیوی زندگی میں ملنے والی حکومت اور اس کی سرداریاں اور شادابیاں مراد ہیں۔ جنت کا انکار قرآن کے صریح نصوص کا انکار ہے جس کا پرویز مرتکب ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کے گلزار ہونے سے انکار

۵۶ - قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (۲۱/۶۹)

چنانچہ آخر الامر ہوا یہ کہ وہ اس کے خلاف اپنی تدبیر کا ارادہ کر رہے تھے لیکن ہم نے ایسا کیا کہ وہ اپنے ارادے میں ناکام ہو کر رہ گئے۔ اور ہم ابراہیم علیہ السلام کو وہاں سے بچا کر لے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ابھی اس کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کو پکڑ کر زندہ جلا دیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ وہاں سے محفوظ طور پر نکل گئے (معارف القرآن ص ۱۳۸)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے ۔

" ہم نے فرما دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا "

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ سورہ انبیاء میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے نمرودیوں کے بتوں کو توڑ ڈالا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال کر زندہ جلا دیا جائے اس پر سب نے اتفاق کر کے لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں۔

تفسیر ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک بہت بڑا گہرا گڑھا کھودا۔ لکڑیوں سے اسے بھر دیا۔ اور اس میں آگ لگائی۔ روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ اور ایک منجنیق کے ذریعے انہیں اس آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ پر بردو سلام ہو جا۔ چنانچہ آگ ٹھنڈی پڑ گئی جس کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

لیکن پرویز کہتا ہے کہ ان کو آگ میں نہیں ڈالا گیا اور وہاں سے محفوظ طور پر نکل گئے۔ یہ قرآنی آیت کی صریح تکذیب ہے جس کا پرویز مرتکب ہے۔

خدا پر ایمان کے معنی

۵۷ - غور کر و تسلیم ! ایسے خدا پر ایمان یعنی ایسے قانون کی محکمیت پر یقین انسان

کے دل میں کتنی بڑی خود اعتمادی پیدا کر دیتا ہے (سلیم کے نام ج ۲ ص ۲۲)

پرویز کے نزدیک خدا پر ایمان ضروری نہیں ہے اور وہ ایمان باللہ کی یہ تعبیر کرتا ہے کہ قانون کی محکمیت پر ایمان رکھا جائے کیونکہ اسی سے انسان کے دل میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور یہ صریح کفر و الحاد ہے جس کی طرف وہ سلیم اور اپنے ہم مشربوں کو دعوت دے رہا ہے ؎

کعبہ کی ہوس ہے کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں اس کی مٹی کہاں کی ہے

ایمان باللہ کے متعلق پرویز کا ایک اور اندراج ملاحظہ ہو۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ (۶۴/۱۲) ۵۸۔ جو شخص قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے قلب کو ایسی رہنمائی مل جاتی ہے جس سے وہ علت و معلول کی کڑیوں پر غور کر کے اس کا اندازہ کر لیتا ہے کہ ہوا کا رخ کدھر کو ہے۔ مستقبل قریب میں کیا کچھ ہونے کا امکان ہے اور اس کے تدارک کی کیا صورت ہے (کتاب التقدیر ص ۱۲۴)

یہ سورۂ تغابن کی آیت کا ایک حصہ ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ ۔ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ط

اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"مصیبت بغیر خدا کی اجازت کے نہیں پہنچ سکتی اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ یعنی خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مومن یہ یقین رکھے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس کی قدر و مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور اس کو جو کوئی تکلیف پہنچے تو یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی اور صبر و برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ثابت قدم رہے۔ ثواب اور بھلائی کی امید رکھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے۔ اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے۔ یقین صادق کی جھلک وہ دل میں دیکھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بہتر دنیا میں عطا فرما دیتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اور اسے مصائب ڈھیلا نہیں کر سکتے۔

یہ تھا آیت مذکورہ کا صحیح مفہوم جو ہم نے بیان کیا۔ لیکن اس کے برعکس پرویز کے نزدیک ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ قوانین خداوندی یعنی قوانین طبیعی کی صداقت پر ایمان رکھا جائے۔ اور علت و معلول

یعنی اسباب طبیعی کی کڑیوں پر غور کر کے اس کا اندازہ لگا لیا جائے۔ کہ ہوا کا رخ کدھر کو ہے اور مستقبل قریب میں کیا کچھ ہونے والا ہے اور اس کے تدارک کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ اسباب و علل اور طبیعیات پر ہی اس کا ایمان ہے۔ اور اس کی نظر مسبب الاسباب یعنی ذات باری تعالیٰ پر نہیں ہے اور وہ ایمان باللہ کی نعمت سے محروم ہے۔

الا ان یشاء اللہ کے معنی | ۵۹۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ (۱۸/۲۳)

تم یہ مت کہو کہ کل یقینی طور پر ایسا کروں گا۔ جو تم نے کرنا ہے اس کے لئے قانون خداوندی کے مطابق جملہ اسباب مہیا ہو گئے۔ تو پھر یقیناً ایسا ہو گا (کتاب التقدیر ص ۲۱۱)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں کہنا کہ میں اسے کل کروں گا مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا"

آیت کا مطلب واضح ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول کریم کو ارشاد فرماتے ہیں۔

کہ جس کام کو کل کرنا چاہو تو یوں نہ کہا کرو کہ "کل کروں گا" بلکہ اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لیا کرو کیونکہ کل کیا ہو گا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ علام الغیوب اور تمام چیزوں پر قادر صرف وہی ہے اس کی مدد طلب کیا کرو۔ عہد رسالت سے لے کر اب تک اہل اسلام کا اس پر ان معنوں میں عمل چلا آرہا ہے۔ کئی بار مشاہدے میں یہ امر آیا ہے کہ ایک شخص نے آج پختہ ارادہ کیا کہ میں کل یہ کام کروں گا۔ لیکن کل تک وہ نہ پہنچا اور رات ہی کو اس کی روح قبض ہو گئی۔ یا اور کوئی حادثہ پیش آیا اور اس کا وہ کام نہ ہو سکا۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہنا پڑا۔

"عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ"

میں نے اپنے رب کو اس سے پہچانا کہ مجھے اپنے پختہ عزائم کو فسخ کرنا پڑا"

لیکن اس کے برعکس پرویز کہتا ہے کہ

"تم نے کل جو کام کرنا ہے اس کے لئے اسباب مہیا کرتے جاؤ اور یہ کہو کہ اگر اس کے قانون طبیعی کے مطابق جملہ اسباب مہیا ہو گئے تو پھر یقیناً ایسا ہو گا۔ یہ کٹر مادہ پرستوں اور طبیعیات پر ایمان رکھنے والوں کا عقیدہ ہے جسے پرویز نے اپنایا ہے۔ لیکن اہل اسلام اس کے مشرکانہ اور ملحدانہ عقیدے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

کفر بآیات اللہ کا مفہوم | ۶۰۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَلِقَآئِہٖٓ اُولٰٓئِکَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ (۲۹/۲۳) جو لوگ قوانین خداوندی اور مکافات عمل سے انکار کرتے ہیں وہ خدا کی رحمت سے

ناامید ہوتے ہیں (کتاب التقدیر ص ۳۸۹)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کرتے ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں"

اس آیت کا آخری جملہ یہ ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ط

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے والے اور اس کی ملاقات کو اور روز آخرت کو نہ ماننے والے خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب مقرر ہے لیکن پرویز کہتا ہے کہ قوانین خداوندی یعنی قوانین طبیعی اور مکافات عمل سے جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔ اس تاویل باطلہ سے ثابت ہوا کہ پرویز کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے انکار ہے۔ کیونکہ آیت میں لفظ لقاء آیا ہے جس کے معنی ملاقات ہی کے ہیں۔ اور یہ لقاء سے مکافات عمل مراد لیتا ہے۔ اور پھر لقاء خداوندی سے انکار قیامت کے انکار کو بھی مستلزم ہے۔ کیونکہ یہ ملاقات قیامت ہی کے دن ہوگی۔ اور اس کو دونوں سے انکار ہے جو موجب کفر ہے

بقیہ از صفحہ ۳۷

سہے بہر ایماں مصائب ہزاروں — سراپا وفا ہیں صحابہؓ صحابہؓ
جان و تن و من سے ہیں فدایانِ مصطفےٰ — نازش تقیٰ ہیں صحابہؓ صحابہؓ
تبوک و حنین میں بدر میں احد میں — جگر آزما ہیں صحابہؓ صحابہؓ
یہ سب آسمان نبوت کے تارے — نجوم ہدیٰ ہیں صحابہؓ صحابہؓ
بہر سربلندیٔ دین حق یہ کوشاں — صباح و مسا ہیں صحابہؓ صحابہؓ
ان کا یہ رتبہ تو دیکھ انبیاء کے بعد یہ — خیار الوریٰ ہیں صحابہؓ صحابہؓ

خاکیؔ عاجز کو ہے جنکی غلامی پہ ناز
وہ حق آشنا ہیں صحابہؓ صحابہؓ

مضامین صاف خوشخط اور سیاہی سے کاغذ کے ایک طرف تحریر فرمائیے

Adarts CAR-2/84
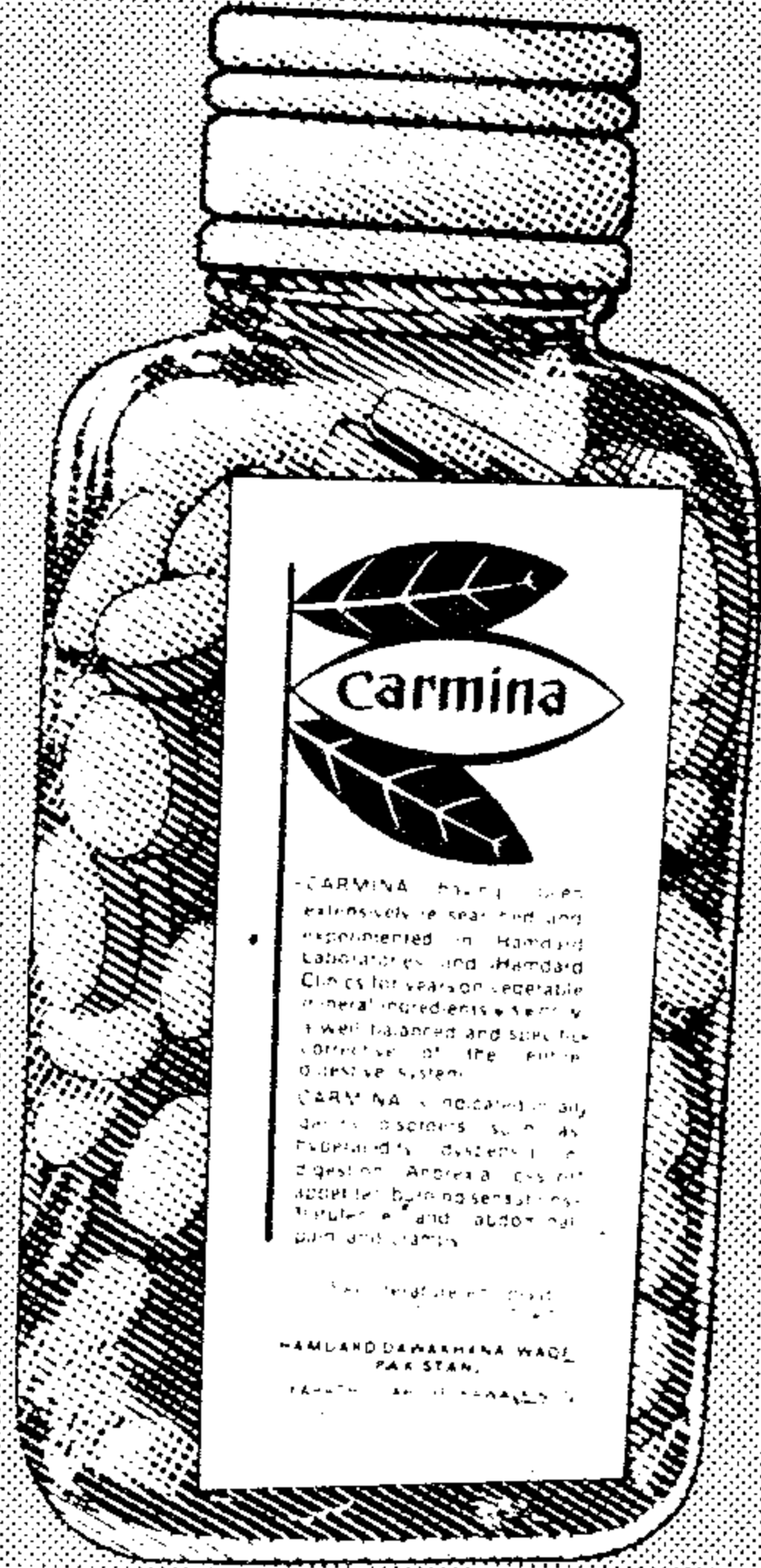
عظمتِ صحابہؓ

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

"دو متضاد تصویریں" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ایرانی شیعہ انقلاب کے رہنما خمینی کی یہ دل آزار و جگر پاش عبارت دیکھی جو کہ ان کی کتاب کشف الاسرار سے لی گئی ہے یا وہ گوئی ملاحظہ ہو۔ "وہ لوگ (صحابہؓ) جو سوائے دنیا اور حصول حکومت کے اسلام اور قرآن سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ جنہوں نے قرآن کو اپنی نیات فاسدہ کی تکمیل کا محض وسیلہ بنایا تھا۔ ان کے لئے ان آیات کا (جو حضرت علی کی خلافت بلافصل اور ائمہ کی امامت پر دال تھیں) قرآن مجید سے نکال دینا کتاب آسمانی کا تحریف کرنا اور ہمیشہ کے لئے قرآن کو دنیا والوں کی نگاہ سے اس طرح مستور بنا دینا کہ قیامت کے دن یہ ننگ و عار مسلمانوں اور قرآن کے حق میں باقی رہے آسان تھا تحریف کا وہ عیب جو مسلمان یہود و نصاریٰ پر لگاتے ہیں۔ ان صحابہؓ پر ثابت ہے۔" انتہیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب یہ عبارت نظر سے گزری تو ان لوگوں کی عقل و خرد پر ماتم کرنے کو جی چاہا۔ جو ایسے شخص کو جس کا حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسا ملعون نظریہ ہے۔ داعی اسلامی انقلاب باور کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ ؏ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا۔

اس پس منظر میں ردعمل کے طور پر یہ چند اشعار مدحت و عظمت صحابہؓ پر موزوں ہوئے۔

ھجوتَ صحابۃً فاجبتُ منہ
وعند اللہ فی ذالک الجزاء
۔ فانی۔

نبیؐ پر فدا ہیں صحابہؓ صحابہؓ — مجسم رضا ہیں صحابہؓ صحابہؓ
اولین مخاطب ہیں تنزیل رب کے — قرآن پر گواہ ہیں صحابہؓ صحابہؓ
ہدایت کے پیکر صداقت کے مظہر — محبت نما ہیں صحابہؓ صحابہؓ
جن کی شہامت پہ ہے یہی قرآن شاہد — وہ رنگین ادا ہیں صحابہؓ صحابہؓ
فیض یافتگاں صحبت نبیؐ ہیں — بدور دجیٰ ہیں صحابہؓ صحابہؓ
یہ قرآن کے جامع یہ سنت کے حافظ — عجب دلربا ہیں صحابہؓ صحابہؓ
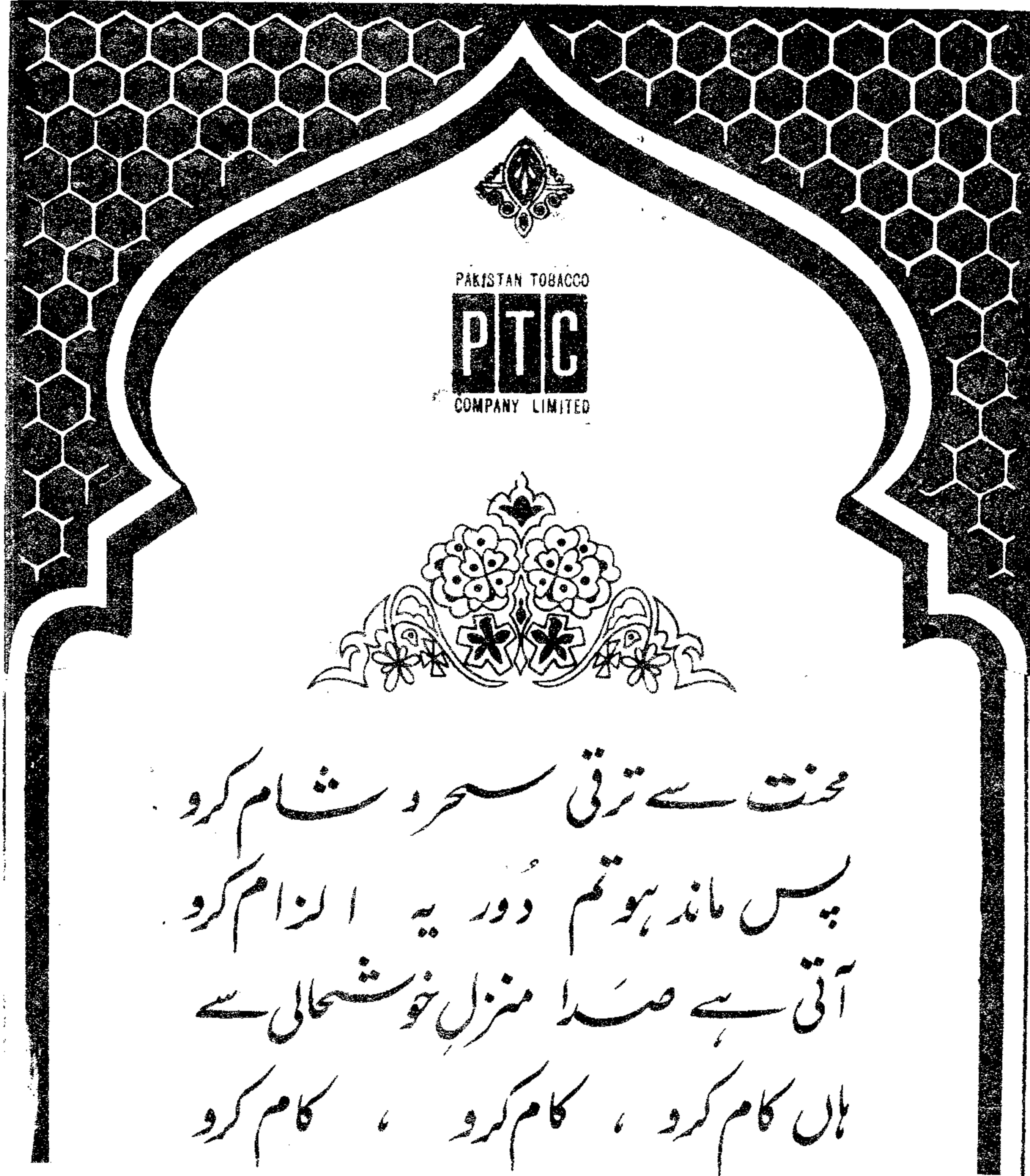
باقی صفحہ ۴۵ پر

PAKISTAN TOBACCO
PTC
COMPANY LIMITED
محنت سے ترقی سحر و شام کرو
پس ماندہ ہو تم دُور یہ الزام کرو
آتی ہے صدا منزلِ خوشحالی سے
ہاں کام کرو ، کام کرو ، کام کرو

تعارف و تبصرۂ کتب

مولانا عبدالقیوم حقانی
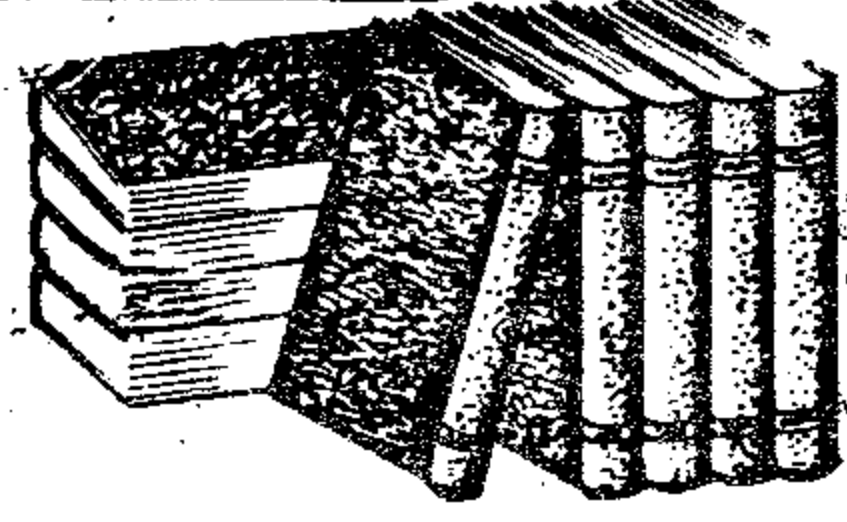
تکملہ فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم | تالیف :- مولانا محمد تقی عثمانی صفحات ۶۹۲ قیمت ۲۰۰/- پتہ :- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ہندوستان میں بارھویں صدی کے وسط سے پندرھویں صدی تک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی تک اکابر علمائے دیوبند اور اساتذۂ حدیث نے، حدیث کی ترویج و اشاعت، درسِ حدیث کے احیاء، فنِ حدیث کے ساتھ اعتنا اور اس موضوع پر محققانہ و بصیرانہ تصنیفات کے ساتھ جو عظیم تجدیدی اور انقلابی کارنامہ سرانجام دیا وہ ملّتِ اسلامی اور تاریخِ انسانیت کا روشن اور تابناک باب ہے۔

اکابر علماء دیوبند نے تو درس مطالعہ، تدریس اور شرح و تحشیہ کا ایک نیا ذوق اور نئی تحریک پیدا کر دی۔ انہوں نے حدیثِ رسولؐ سے عشق و فریفتگی اس کی نشر و اشاعت، تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور تبلیغ و تعمیم کو اپنی زندگی کا مقصدِ اولین قرار دیا۔

علم حدیث ان کا اصل ذوق اور محنت و تحقیق کا میدان رہا۔ وہ اس کو تقرب الی اللہ اور تقرب الی الرسولؐ کا سب سے بڑا وسیلہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ زندگی بھر یہی ان کا شعار و دثار رہا اور ان ہی کو یہ کہنے کا حق حاصل تھا ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار مے کنم

چنانچہ وسیع پیمانے پر درسِ حدیث کے حلقے قائم ہوتے، صحاحِ ستّہ کے درس کا رواج ہوا۔ شرح حدیث کا دور شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک عظیم اور وسیع کتب خانہ تیار ہو گیا۔ اور ہندوستان فنِ حدیث شریف کا مرکز بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اکابر علماء دیوبند اور اساتذۂ حدیث سے علم حدیث کی اشاعت و خدمت کا جو کام لیا بظاہر اس قرن میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔ انہوں نے حدیث کی اہم کتابوں پر عربی اردو حاشیے اور شروحات لکھے۔ امام انور شاہ کشمیری کی فیض الباری، عرف شذی۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بذل المجہود۔ مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی امانی الاحبار۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی لامع الدراری الکوکب الدری اوجز المسالک اور تقریرات بخاری (اردو) علامہ انور شاہ اور علماء دیوبند کے

حدیثی افادات کا گراں قدر مجموعہ انوار الباری (اردو) مولانا بدر عالم میرٹھی کی ترجمان السنہ اور جواہر الحکم مولانا محمد یوسف بنوری کی معارف السنن مولانا ظفر احمد تھانوی کی اعلاء السنن، مولانا شبیر احمد عثمانی کی فضل الباری (اردو) اور فتح الملہم، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی حقائق السنن (اردو) اس کی زندہ وجاوید اور غیر فانی مثالیں ہیں۔

فتح الملہم مولانا شبیر احمد عثمانی جو دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان بلند مقام محقق اور نامور فرزند ہیں کی تصنیف ہے جو امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری کی شہرۂ آفاق کتاب الجامع الصحیح کی شرح ہے جس کی صرف تین ضخیم جلدیں مکمل ہوسکیں جسے صرف پاک وہند میں نہیں بلکہ عالم اسلام کے ہر حصہ میں اہل علم نے نہ صرف یہ کہ زبردست خراج تحسین پیش کیا بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں اور اہم علمی کاموں میں اس سے استفادہ بھی کیا اس طرح موصوف کی یہ گراں قدر تصنیف صرف مسلمانانِ برصغیر کے لئے نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے سرمایۂ افتخار بن گئی۔

علامہ زاہد الکوثری نے اسے دیکھ کر اپنے رسالہ "الاسلام" میں تحریر فرمایا۔

فتح الملہم کے مصنف لائق وفائق، حجت اور مختلف علوم کے جامع زمانے کے محقق، مفسر، محدث، فقیہہ بارع، نقاد وغواص، بحر علم کے شناور، مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث ومدیر دارالعلوم دیوبند ہیں۔ (الاسلام) غالباً یہ شرح پانچ چھ جلدوں میں مکمل ہوتی۔ مگر افسوس کہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا وصال ہوگیا اور یہ کتاب ناقص رہی۔

ملک وبیرون ملک ارباب علم وفضل اور علمی حلقے اس کی تکمیل کے خواہشمند تھے جس کے پیش نظر اس سلسلہ میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریک بھی چلائی۔ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور جامع المنقول والمعقول حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کو اس کی تکمیل پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کی مگر خدا کو منظور نہ تھا کہ یہ کام اس وقت مکمل ہو جاتا۔ بالآخر حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اپنے حین حیات اپنے لائق، فاضل اور ہونہار فرزند حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کو اس کام کی تکمیل پر لگادیا۔ اور خود اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ قسام ازل نے اس مہتم بالشان کام کی تکمیل کی سعادت مولانا محمد تقی عثمانی کے نصیب میں لکھی تھی۔ جو انہیں تکملۂ فتح الملہم کی صورت میں حاصل ہورہی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی کو فتح الملہم کے مصنف علامہ شبیر احمد عثمانی کی طرح علم سے خاندانی مناسبت خداداد حافظہ وذہانت سخت محنت ومشقت شوقِ مطالعہ، ذوق علم اور سب سے بڑھ کر توفیق خداوندی نے ان کو جدید وقدیم اسلامی امور پر عبور اور علمی تبحر عطا فرمایا ہے۔ اکابر علماء اساتذۂ حدیث اور معاصرین جو سن میں آپ سے بڑے اور اپنے زمانہ کے مسلّم الثبوت استاد اور امام فن ہیں سب آپ کے تبحر وجامعیت

کے معترف ہیں۔

درس و تدریس میں انہماک ملکی و غیر ملکی اسفار اور اب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے اہم قومی و ملّی ذمہ داریوں کے باوجود تصنیفی ذوق اور تحریری کام میں انہماک اور تصنیفات بھی معمولی نہیں بلکہ صحیح مسلم کی شرح لکھنا جو تکملۂ فتح الملہم کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اسے علوم نبوت کی کرامت خرق عادت اور نبوت کا معجزہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب موصوف کے علمی کاموں میں مہتم بالشان اور ایک زبردست علمی و تصنیفی شاہکار اور عظیم کارنامہ ہے جس کی پہلی جلد پونے سات سو صفحات میں طبع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ اور جو رضاع، طلاق، عتاق، بیوع اور مساقات کے مباحث پر مشتمل ہے جس کو موصوف نے طویل عرصہ کے انہماک و اشتغال، ذوق مطالعہ و تحقیق اور خوب غور و تامل سے مرتب فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ شام کے مشہور محقق عالم، عالم اسلام کی مسلّم مایۂ ناز شخصیت جناب شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اپنے پیش لفظ میں اس کتاب کی تحقیقات کو نادر المثال قرار دیا ہے۔

موصوف کی تازہ و عظیم تصنیف تکملۂ فتح الملہم کے کچھ منفرد خصوصیات ہیں جو اسے قدیم شروحات حدیث بلکہ عصر حاضر کے جدید شروحات سے بھی نمایاں اور ممتاز کر دیتے ہیں۔ عقلیت پسند اور جدّت طلب دور میں یقیناً یہ ایک گراں قدر بلند پایہ علمی تحفہ ہے۔ جو علمی و دینی حلقوں میں پہنچ رہا ہے۔ اور بلا مبالغہ بطور اظہار حقیقت ہمیں یہ کہنے میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ یہ کتاب مصنف کی عظیم شاہکار تصنیف ہے جو ان کے علم و فن کی آئینہ دار ہے۔ ذیل میں ان ہی خصوصیات کو اجمالاً درج کیا جا رہا ہے جس سے اصل کتاب کے سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے میں مدد ملے گی۔

۱۔ محققانہ اور محدثانہ طرز پر شرح حدیث اور اس کے متعلقات پر بحث کے لئے شارح کو توبہ و انابت، خوف و خشیتِ الٰہی، عشقِ رسول ؐ، صفائی قلب و نورِ باطن، ذکر و فکر، عمل بالحدیث کا جذبہ، متون حدیث پر نظر، رجال و طرق اور علل سے آگاہی، مذاہب اربعہ کے اصول کتب سے واقفیت، اصولِ فقہ اور علم الخلاف سے واقفیت، عربیت میں پختگی، کلام و فلسفہ اور حقائق پر نظر۔ وسعت و سرعت مطالعہ اور اس نوع کے جملہ صفات و ملکات اور کمالات سے متصف ہونا ضروری ہے اور الحمد للہ کہ ہمارے نوجوان فاضل و شارح کو اللہ تعالیٰ نے اکابر علماء و اساتذۂ حدیث کی صحبت، اہل اللہ کی معیت و خدمت، اہلِ دل سے عقیدت و نسبت بالخصوص مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی خصوصی توجہ و تربیت اور پدرانہ شفقت اور صاحب کمال بزرگوں کے خصوصی عنایات کے طفیل مذکورہ صفات و ملکات سے مالامال فرمایا ہے۔ کتاب کے گہرے اور تحقیقی مطالعہ سے پڑھنے والا یہ تاثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شارح مقاصدِ شریعت اور روحِ دین سے واقف ہے اور انہیں علوم و فنون کی ہمہ گیر معلومات و مشکلات اور دین کے اصول و فروع پر کافی عبور حاصل ہے۔

۲۔ ہر مبحث اور ہر موضوع میں شارح کی بحث اصولی و مرکزی اطمینان آفریں تشفی بخش اور موجب یقین ہے جو احادیث کے مستند ذخیروں میں پھیلے ہوئے طویل ترین مباحث کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ موضوع سے متعلقہ بحث پڑھ لینے کے بعد پڑھنے والے کو بدیہی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور اس کی روح ہے

۳۔ اور سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ موصوف نے یہ شرح کسی علمی گوشہ یا دنیا سے الگ تھلگ جزیرہ میں بیٹھ کر نہیں لکھی بلکہ بین الاقوامی حالات کے سٹیج پر (کہ مصنف سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس ہیں) عین زندگی کے میدان میں اور عوام کے درمیان رہ کر ان کے حالات و ضروریات سے واقف ہو کر سوسائٹی کے ذہن و اخلاق اور ماحول و زمانہ کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جواں سال مگر باکمال شارح، کا دل و دماغ اور انسانی احساسات و جذبات رکھنے والا ایک بیدار مغز نقاد، زمانہ کی رفتار اور حالات حاضرہ سے باخبر اور ذی رائے انسان ہے۔

اس خصوصیت کی وجہ سے موصوف کی اس تازہ پیش کش کو ملک و بیرون ملک علمی حلقوں میں مقبولیت اور دلآویزی حاصل رہے گی۔ جو قدیم شروحات اور جدید تصنیفات میں کمیاب اور اکثر نایاب ہے۔

۴۔ مصنف شروحات حدیث کی ضخیم اور محققین و مصنفین کے صفحات میں پھیلے ہوئے مباحث کو حد درجہ حزم و احتیاط کے ساتھ سطروں میں اس خوبی کے ساتھ تلخیص فرماتے ہیں جیسے ماہر دواساز عرق اور عطرساز روح کشید کرتے ہیں۔ اور باکمال صاحب فن ہر چیز کا جوہر نکال لیتے ہیں۔ مصنف نے مباحث میں ترتیب، ضبط اختصار اور جامعیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ انتشار و طوالت اور اطناب سے ہر جگہ اجتناب کی کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ مباحث خواہ عقلی ہوں یا نقلی، قدیم ہوں یا جدید۔ موصوف کی اس شرح میں یکجا اتنا محدثانہ اور محققانہ مواد مل جاتا ہے کہ صرف اسی ایک تصنیف کو متعلقہ مباحث میں ایک کتب خانہ کے قائم مقام قرار دیا جا سکتا ہے اس طرح یہ تصنیف اساتذہ حدیث اور طالبان علوم نبوت کے لئے ایک گراں قدر علمی تحفہ، مباحث، معلومات فوائد و نکات اور نادر تحقیقات و تنقیحات کا خزانہ بن گیا ہے۔ جو ان کو سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اساتذہ حدیث کو ان مباحث میں جو ہفت خواں سر کرنا پڑتا ہے اس شرح کے آجانے سے اس کی افادیت و اہمیت کو وہ حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں جن کو علمی و تحقیقی اور تدریسی میدان میں ان مسائل سے واسطہ پڑا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ شارح نے مسلم شریف کے جس حصہ پر قلم اٹھایا ہے وہ زیادہ تر معاملات سے متعلق ہے جس میں عام طور پر شراح حدیث نے اختصار سے کام لے لیا ہے۔ جب کہ اس موضوع پر تفصیلی مباحث کے لئے کافی محنت، صبر آزما مطالعہ، اور ہزاروں مآخذ کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

۵۔ ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس شرح میں موضوع کی طرح خشکی یبوست پیچیدگی اور قدیم متون و شروحات کی شان نہیں ہے۔ کہ ہر لفظ بندھا ٹکا اور قانونی و اصطلاحی ہو بلکہ مصنف کا ادبی معیار اور ذوق بہت

ادبیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا خالص عربی النسل شخص لکھ رہا ہو۔ تحریر میں سلاست
زور عربیت اور کہیں کہیں تو بلاغت و ادبیت اوج خطابت کے انتہا کو چھوتی ہے جس کی وجہ سے کتاب
دلچسپ، جاندار اور اس کے مضامین و مباحث پرزور بن گئے ہیں۔

۶۔ کتاب میں جگہ جگہ بحث کے دوران سلف صالحین بالخصوص اکابر علماء دیوبند کے طرز تشریح ان کی فکری
کاوشیں اور ان کا دینی و علمی، فکری و عملی تفوق اور فضیلتیں ٹپکتی نظر آتی ہیں۔

۷۔ باب میں آتے ہوئے احادیث کے ایک ایک جزو کی جامع اور مکمل تشریح، تخریج، رواۃ کے حالات، ان کے
اسماء کا صحیح ضبط اور تعارف، مختلف طرق حدیث کا مفصل بیان، ائمہ مجتہدین کے مذاہب و دلائل اور ترجیح راجح
کے لئے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۸۔ عہد حاضر میں مستشرقین، دہریوں، سوشلسٹوں، کمیونسٹوں اور لادین عناصر کے غلط نظریات اور
پھیلائے ہوئے شبہات کا شافی جواب اور ضمناً فتنوں کا زبردست تعاقب کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں "الحکمۃ
فی کثرۃ الازواج" ص ۹۵۔ الطلاق فی الدیانات والمجتمعات الکافرہ ص ۱۳۰۔ الرق فی الاسلام ص ۲۶۴
مسئلۃ الاقتصاد فی الاسلام ص ۳۰۰ وغیرہ معرکۃ الآرا مباحث ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے فقہی مسائل، مثلاً
بیع حقوق، نوٹوں کے احکام، کرنسی کے تبادلے اور اس جیسے دیگر پیچیدہ عنوانات و موضوعات پر نادر
تحقیقات اور علمی تنقیحات کا احتوا کیا گیا ہے۔

۹۔ احادیث کی لغوی نحوی تحقیق اور تقریباً ہر حدیث کے ساتھ صحاح ستہ میں اس کی پوری تخریج، موضوع
سے متعلق دیگر احادیث کا تذکرہ اور متعلقہ مباحث، صحیح مسلم کی مختصر حدیث یا مختصر واقعہ کی حدیث کی دوسری
کتابوں سے توضیح و تکمیل اس کے علاوہ جگہ جگہ احادیث سے حاصل ہونے والے ضمنی فوائد، روزمرہ کے معمولات
میں ان سے حاصل ہونے والے ہدایات کی تشریح و توضیح بھی سہل، واضح اور دلنشیں انداز میں کی گئی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ باری تعالیٰ شارح کو جلد اس کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرماوے۔

امید ہے کہ شارح صرف اس کی تکمیل پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ جس نئے اسلوب اور جدید و مفید انداز
سے انہوں نے صحیح مسلم کی شرح پر قلم اٹھایا ہے اسی اسلوب پر موصوف فتح الملہم کی روشنی میں صحیح مسلم پر
از سر نو اپنے جدید انداز میں ایک جامع اور مبسوط شرح کا کام شروع کر دیں گے۔
جو طلبہ و اساتذہ حدیث کے لئے ایک نادر علمی تحفہ، علمی و تحقیقی حلقوں کے لئے ایک گراں قدر تحقیقی
شاہکار اور خود مصنف کے لئے ایک عظیم علمی کارنامہ ہوگا۔
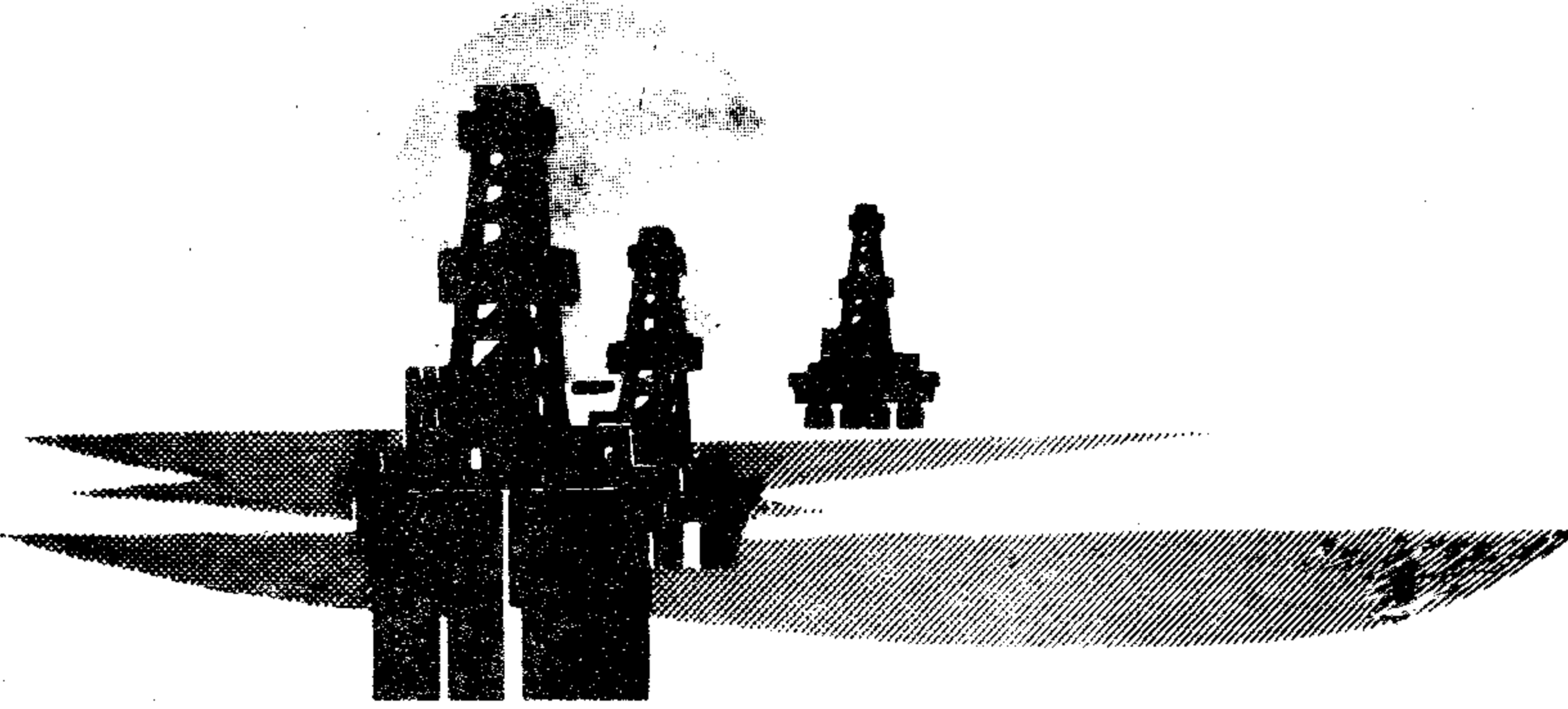
سینٹ میں قومی و ملی مسائل

سوالات اور جوابات

ثقافتی طائفے

سوال نمبر ۹۰ ۔ مورخہ ۱۱ جولائی ۸۵ء

مولانا سمیع الحق ۔ کیا وزیر برائے ثقافت، کھیل اور سیاحت از راہ کرم بیان فرمائیں گے

الف ۔ مذکورہ عرصہ کے دوران اس ثقافتی مہم پر کل کتنا سرمایہ خرچ کیا گیا نیز

ب ۔ گذشتہ دو سالوں کے دوران اس کی ثقافتی مہم پر کل کتنا بیرونی زرمبادلہ خرچ کیا گیا نیز

ج ۔ ملک کے اندر ثقافتی طائفوں پر کل کتنا خرچ اٹھایا گیا نیز

د ۔ گذشتہ دو سالوں کے دوران بیرونی ممالک سے پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے بیرونی ثقافتی طائفوں کی تعداد کیا ہے اور ان پر پاکستان میں کتنے اخراجات کئے گئے ؟

جواب

لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جمال سید میاں

الف ۔ پندرہ لاکھ اکہتر ہزار ایک سو چھہتر روپے

ب ۔ بیالیس ۷ ۸ ۵ ، ۴۱ ڈالر

ج ۔ چھتیس لاکھ اڑسٹھ ہزار ایک سو تینتالیس روپے

د ۔ سات طائفے ۔ پندرہ لاکھ اکہتر ہزار ایک سو چھہتر روپے ۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

قادیانیوں کی تفسیر کا مسئلہ

سوال نمبر ۷۷ ۔ مورخہ ۱۱ جولائی ۸۵ء

مولانا سمیع الحق ۔ کیا وزیر مذہبی و اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ

الف ۔ آیا یہ امر واقعہ ہے کہ حکومت نے ۲۷ مئی ۸۱ء کو جماعت احمدیہ کے مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے قرآن پاک کے اردو ترجمہ کو ضبط کر لیا تھا ۔

ب ۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ یہی ترجمہ تفسیر صغیر کے نام سے اب بھی شائع ہو رہا ہے ۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں اور حکومت قانون کی ایسی خلاف ورزیوں کے خلاف کیا کارروائی کرے گی ؟

جناب مقبول احمد خان ۔ الف جی ہاں ۔ تمام صوبائی حکومتیں پہلے ہی قرآن مجید کا بامحاورہ اردو ترجمہ از مرزا بشیر الدین محمود احمد مطبوعہ از قرآن پبلی کیشنز بحق حکومت ضبط کر چکی ہے ۔ اور یہ کارروائی ضابطہ مجموعہ جرائم کی شق ۹۹ ، الف کے تحت کی گئی ہے ۔

ب ۔ وزارت مذہبی امور وزارت داخلہ کو پہلے ہی سفارش کر چکی ہے کہ تفسیر صغیر از مرزا بشیر الدین محمود احمد مطبوعہ از ادارہ المصنفین ربوہ ضلع جھنگ

بھی ضبط کر لی جائے۔ وزارت داخلہ نے وزارت عدل و انصاف سے مشورہ کے بعد تمام صوبائی حکومتوں کو ہدایات جاری کردی ہیں کہ وہ تفسیر صغیر کی ضبطی کے بارے میں اپنے اپنے قانونی شعبوں سے مشورے کے بعد ضروری کارروائی کریں۔ چنانچہ تمام صوبائی حکومتیں اس سلسلے میں ضروری کارروائی کر رہی ہیں۔

مجوزہ کالاباغ ڈیم اور تحصیل نوشہرہ

سوال نمبر ۹۸۔ مورخہ ۱۱ جولائی ۸۵ء

مولانا سمیع الحق۔ کیا وزیر بجلی و پانی بیان فرمائیں گے کہ

الف۔ آیا یہ درست ہے کہ مجوزہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر سے دریائے کابل کے دونوں اطراف میں تحصیل نوشہرہ کے کچھ علاقے متاثر ہوں گے۔

ب۔ ایسے قصبات اور دیہات کی متاثرہ آبادی کو دوبارہ بحال کرنے یا ان کے تحفظ کے لیے کون سے متبادل انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

میر ظفر اللہ خان جمالی۔ الف۔ یہ درست ہے کہ دریائے کابل تحصیل نوشہرہ کی دونوں اطراف کا علاقہ مجوزہ ڈیم کی تعمیر سے متاثر ہوگا۔

ب۔ تقریباً پچاس گاؤں جن کا رقبہ غالباً ۱۵۴۰۰۰ ایکڑ اس سے متاثر ہوں گے۔ دس گاؤں بشمول وسیع علاقہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ خویشگی بالا ۲۴۵۰ ایکڑ۔ ۲۔ خویشگی پایان ۱۲۰۰ ایکڑ
۳۔ رشکئی ۱۱۰۰ ایکڑ۔ ۴۔ ڈھیری کٹی خیل ۱۱۰۰ ایکڑ
۵۔ گنڈاھیری ۱۵۵۰ ایکڑ۔ ۶۔ شیدو ۴۰۰ "
۷۔ خیرآباد ۳۵۰ " ۸۔ پیر پیائی ۴۰۰ "
۹۔ نوشہرہ کلاں ۷۵۰ ایکڑ۔ ۱۰۔ پشتون گڑھی ۳۵۰ ایکڑ

میزان - ۹۵۵۰ "

ان دس گاؤں کا ۹۵۵۰ ایکڑ رقبہ ۱۵۸۰۰ ایکڑ میں سے خرید لیا جائے گا۔ بقیہ چالیس گاؤں کا رقبہ جس کو خریدنا ہوگا تقریباً ۳۰ اور ۳۰۰۰ ایکڑوں کے درمیان ہوگا

ب۔ یہ بات ہمارے مقصد میں شامل ہے کہ ۱۸ اہم گاؤں کو بندوں اور کھائیوں کی تعمیر کے ذریعہ بچایا جائے جب کہ دیگر بقیہ آبادی کو ان پناہ گاہوں میں دوبارہ بسایا جائے جو محفوظ مقامات پر تعمیر کی جائیں گی۔ یہ تجویز پی سی ون پرو فارمہ کا ابتدائی حصہ ہے اور اس کی حکومت اور مجاز حکام کی جانب سے نظرثانی کرانی پڑے گی۔

سینٹ میں کالاباغ ڈیم کے بارہ میں تحریک التواء

مورخہ ۱۸ اگست ۸۵ء کو کالاباغ ڈیم کے بارہ میں مولانا سمیع الحق نے تحریک التواء پیش کی۔ جسے وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق اور وفاقی وزیر بجلی جناب ظفر اللہ خان جمالی کی جوابی تقریروں کے باوجود مولانا نے واپس نہ لیا۔ تو چیئرمین سینٹ نے اسے منظور کر دیا اس کی کچھ تفصیل سینٹ کی رپورٹنگ کی شکل میں پیش ہے۔

مولانا سمیع الحق۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جناب والا میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ سینٹ کا حالیہ اجلاس ملتوی کر کے قومی اہمیت کے فوری اور عالیہ ذیل واقعہ پر بحث کی جائے۔

اخبارات میں ڈاکٹر محبوب الحق وزیر خزانہ کی ایک پریس کانفرنس شائع ہو چکی ہے کہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا آغاز آئندہ سال ہو جائے گا۔ اس ڈیم کی ملک کے لیے

افادیت کے باوجود ڈیم کے مغربی علاقہ پر واقع تحصیل نوشہرہ اور تحصیل کوہاٹ کی شہری آبادیوں اور زمینوں کو بے حد نقصان پہنچے گا۔ صرف میرے حلقہ انتخاب تحصیل نوشہرہ کی ایک سو سے زائد آبادیوں کو اس کی زد میں آنے کا امکان ہے اور ان علاقوں کے لوگ کافی عرصہ سے شدید غیر یقینی، اضطرابی اور گومگو کیفیت میں مبتلا ہیں اور سروے کرنے والے بعض افراد لوگوں کو ہراساں کر کے مالی مفادات حاصل کر رہے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ ڈیم سے متاثر ہونے والی آبادیوں اور اس کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی قوم کے سامنے آ سکیں۔ اس لئے معزز ایوان اس مسئلہ کو زیر بحث لائے کیونکہ ایسے اعلانات کے بعد تشویش بڑھ گئی ہے۔

جناب چیئرمین۔ مولانا آپ مزید کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

مولانا سمیع الحق۔ جناب والا میں نے اصل مدعا تو اس تحریک میں عرض کر دیا ہے اور پچھلے اجلاس میں اس بارہ میں سوالات کے جو جوابات آئے تھے اس سے اور بھی تشویش بڑھ گئی ہے۔ جو اعداد و شمار ہمارے وزیر محترم نے سامنے رکھے تھے اس میں دیہات کا ذکر تھا کہ اس تحصیل نوشہرہ کے اتنے دیہات اس کی زد میں آئیں گے۔ اسی طرح زمینوں کا بھی بہت بڑی تعداد کا ذکر تھا یہی حال کوہاٹ کی تحصیل کے اکثر دیہات کا ہے تو یہ مسئلہ پورے صوبہ سرحد میں انتہائی تشویشناک بنا ہوا ہے میں پورے ایوان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کے سارے پہلوؤں کو سامنے لایا جائے اور اس سلسلے میں بروقت کوئی انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔ آپ خود اس وقت وزیر خزانہ تھے اور سارے حالات سے باخبر تھے جب یہ پراجیکٹ ان سارے مراحل سے گزر رہا تھا آپ کوئی دن بھی اس کے لئے مختص کریں تو آپکی بڑی مہربانی ہو گی تاکہ پوری تفصیل کے ساتھ اس پر غور و خوض کیا جا سکے۔

جناب چیئرمین۔ آپ اس چیز کی وضاحت کریں کہ یہ ایک فوری نوعیت کا مسئلہ کیسے بن جاتا ہے کالا باغ ڈیم تو میرے خیال میں ......

مولانا سمیع الحق۔ فوری نوعیت کا مسئلہ ایسے ہے کہ اس پر کام شروع ہو چکا ہے سارے پروجیکٹ کا خاکہ تقریباً تکمیل تک پہنچ چکا ہے گویا تلوار ابھی سر پر لٹک رہی ہے۔

جناب محمد علی ہوتی۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا مولانا صاحب نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا کہ تحصیل نوشہرہ میرا حلقہ ہے اور ان کا حلقہ تو (بحیثیت سینیٹر) سارا صوبہ سرحد ہے کیونکہ سرحد کے سارے ممبران یعنی ایم پی اے حضرات نے ان کو ووٹ دیئے ہیں۔

جناب چیئرمین۔ وہ اپنی سکونت کی بات کر رہے ہیں وہ حلقہ نیابت کی بات نہیں کر رہے۔ ڈاکٹر محبوب الحق صاحب آپ نے جواب دینا ہے یا جناب جمالی صاحب نے جواب دینا ہے؟

اس کے بعد جناب ظفر اللہ جمالی نے تقریر میں کہا کہ ہمیں پورے ملک کے تناظر میں اس مسئلہ کو دیکھنا چاہیئے نہ کہ کسی خاص علاقہ کے۔ جناب ڈاکٹر محبوب الحق نے کہا کہ اس مسئلہ کو آخری شکل دینے سے قبل اس پر غور کیا جائے گا اور اس کے ڈیزائن میں کچھ تبدیلی ہو سکتی ہے اس کے بعد چیئرمین نے محرک سے پوچھا کہ آپ اس پر زور دے رہے ہیں۔ مولانا نے کہا جی ہاں بالکل میں جوابات سے مطمئن نہیں ہوا۔ مگر اس کے بعد جناب چیئرمین نے فنی وجوہ کا سہارا

محکمہ مواصلات وتعمیرات صوبہ سرحد

نوٹس

برائے پیشگی اہلیت ٹھیکیداران

کلاس اے منظور شدہ سرکاری ٹھیکیداروں اور فرموں سے مندرجہ ذیل کام کیلئے پیشگی اہلیت کی بنیاد پر درخواستیں مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام	اندازہ تخمینہ	زر ضمانت	میعاد تکمیل
۱۔	کنسٹرکشن آف شنگل روڈ از سندوا تا تکمیل ۲۲ء۲ میل	۱۶۰۰۰۰۰/- روپے	۳۲۰۰۰/ روپے	چھ ماہ

خواہشمند ٹھیکیداروں اور فرموں کو مندرجہ ذیل اعداد وشمار معلومات فراہم کرنے ہوں گے۔

(ا) فرم/ٹھیکیدار کا نام وپتہ۔

(ب) بحیثیت منظور شدہ ٹھیکیدار/فرم موجودہ اندراج (i) محکمہ مواصلات وتعمیرات میں۔ (ii) دیگر محکموں اور تنظیموں میں۔

(ج) گذشتہ پانچ سالوں کے دوران بڑے منصوبوں کی تعمیر کا تجربہ اور منصوبوں پر لاگت اور تکمیل کی مدت کے بارے میں مکمل تفصیلات۔

(د) موجودہ زیر تعمیر کاموں کی تفصیل۔ (س) قابل استعمال مشینری جو کہ فرم کی اپنی ملکیت ہو کی فہرست۔

(ش) ٹھیکیدار/فرم کے ساتھ موجودہ وقت میں باقاعدہ تنخواہ پر کام کرنے والے اہم اہلکاروں کے نام و اہلیت (ص) کیا ٹھیکیدار/فرم کسی ثالثی تنازعے یا سول مقدمہ میں کسی کے ساتھ ملوث ہے۔ (ض) بنک کی طرف سے زیر دستخطی کے نام سربمہر لفافے میں ٹھیکیدار/فرم کی مالی حالت اور بنک بیلنس سرٹیفکیٹ۔

۳۔ درخواستیں زیر دستخطی کو مورخہ ۱۹-۹-۸۵ تک پہنچ جانی چاہئیں۔

(غلام محمد)
ایگزیکٹو انجینئر
ہائی وے ڈویژن مردان
فون : 2401

INF (P) 2453

شفیق فاروقی
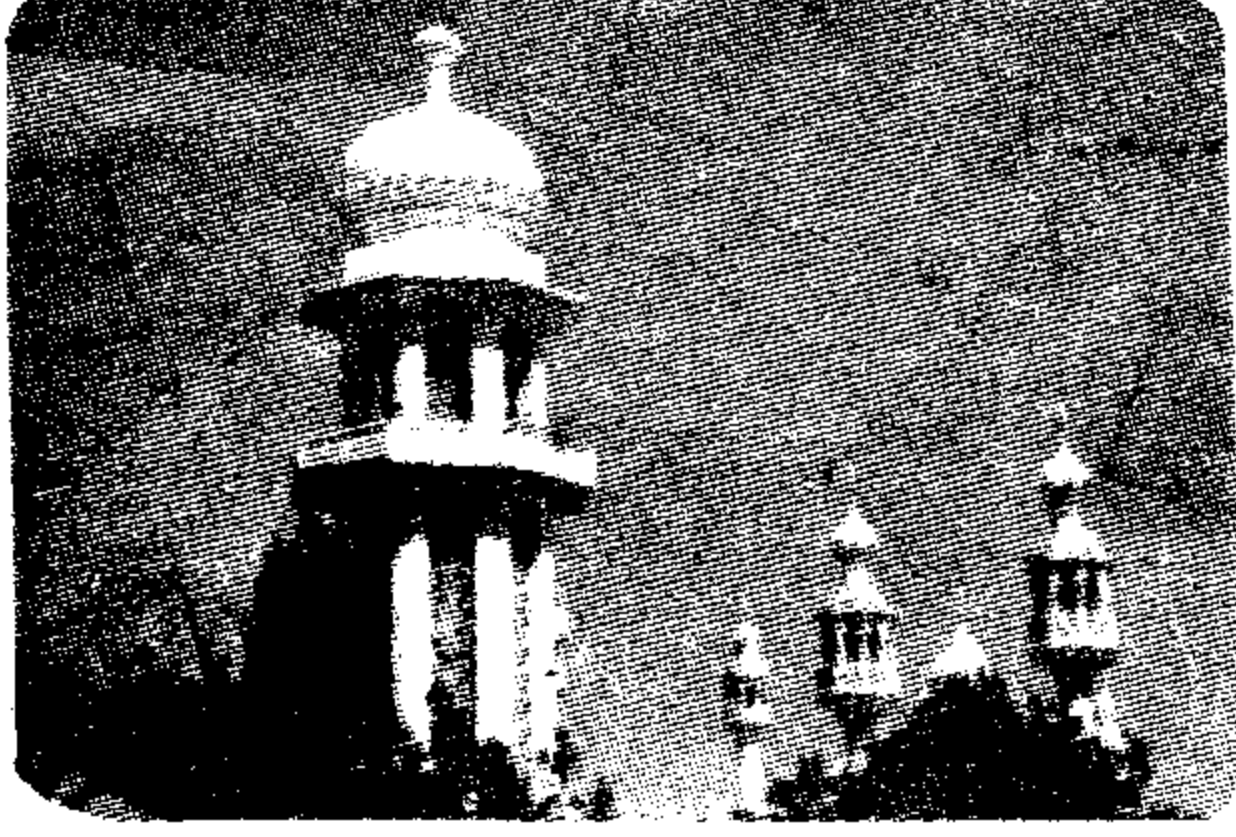
دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

دارالعلوم حقانیہ کے بجٹ اجلاس میں بیس لاکھ روپے کی منظوری

دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس آج یہاں دارالعلوم کے لائبریری ہال میں زیر صدارت حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب منعقد ہوا جس میں ملک کے دور دراز حصوں سے دارالعلوم کے ارکان شوریٰ نے شرکت کی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے مختصر خطاب کے بعد مولانا سمیع الحق نے بجٹ پیش کیا جس میں دارالعلوم کے تمام شعبوں کی کارگذاری اور آمد و خرچ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ مولانا سمیع الحق نے سال رواں کے سالانہ اخراجات کے لئے ۲۰ لاکھ اٹھاسی ہزار ۶ سو روپے کا میزانیہ پیش کیا (جو الگ صفحے پر منسلک ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ سال گذشتہ دارالعلوم کے مختلف مدات پر ۱۵ لاکھ چھیاسی ہزار سات سو ۳۰ روپے خرچ ہوئے۔ بجٹ اجلاس میں ارکان نے دارالعلوم کی ترقیاتی سکیموں پر کھل کر اظہار خیال کیا اور دارالعلوم کے مثالی اور متوازن بجٹ کو سراہا۔ اجلاس نے ملک و ملت کے مشاہیر اہل علم و فضل اور دارالعلوم کے بعض ارکان کی وفات پر اظہار تعزیت کیا۔ اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کیں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

○ اس بار عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی علالت کی وجہ سے مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے حسب معمول اکوڑہ و ملحقات سے آنے والے سینکڑوں مخلصین و حاضرین کے ایک بہت بڑے مجمع سے خطاب فرمایا۔ اور نماز عید کے بعد کثرت سے آنے والے عقیدت مندوں اور مخلصین و محبین سے مصافحہ و ملاقات کرتے رہے۔

○ ۵ اگست۔ مولانا مفتی ولی حسن صاحب کراچی، قاری سعید الرحمٰن صاحب راولپنڈی۔ مولانا محمد جمیل خان صاحب کراچی دارالعلوم تشریف لائے۔ رات کا قیام مولانا سمیع الحق کے ہاں تھا۔ صبح شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی۔ اور مفتی ولی حسن صاحب نے دارالحدیث میں طلبہ سے خطاب بھی فرمایا۔

○ ——— ماہنامہ الحق کے کاتب مولانا عبدالواحد خوشنویس کی والدہ طویل علالت کے بعد یکم اگست ۸۵ء کو انتقال کر گئیں۔ مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ، تہجد گزار اور نیک خاتون تھیں۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے ✣

نقشہ میزانیہ برائے سال ۱۴۰۵ھ مطابق ۸۵/۱۹۸۴ء

مدات				کیفیت
مطبخ	4	00	000	ساڑھے چھ سو طلباء کے لئے طعام صبح و شام برائے سال بھر
ڈاک		9	000	
نقد امداد		1	000	جو طلباء کو بوقت ضرورت بطور امداد دیا جاتا ہے مع اضافہ
روشنی و فٹنگ		60	000	
صابن		4	000	حسب سابق معہ قدرے اضافہ . معہ اضافہ
اخبارات		3	500	
اشاعت و کتابت		8	000	اضافہ بوجہ اضافہ مصارف بلز کتابت و اشاعت کاغذ وغیرہ
امتحانات		6	000	
باغیچہ		4	000	حسب سابق مع قدرے اضافہ
کتب خرید		10	000	
جلد بندی		3	000	
سفارت		60	000	سفر خرچہ و کمیشن بعض سفراء
سٹیشنری		3	000	حسب سابق مع اضافہ مہنگائی کاغذ و طباعت
تنخواہ مع الاؤنس مدرسین و عملہ	3	00	000	" " " " جو سال ۱۴۰۴ھ میں حسب فیصلہ کمیٹی نے کیا مع سالانہ ترقی و مہنگائی و اضافہ مدرسین
تعلیم القرآن		90	000	
واٹر پمپ		3	000	برائے مرمت وغیرہ
سامان خرید و مرمت		4	000	
آب رسانی		6	000	نئی پائپ لائن اور تبدیلی بعض مقامات کی پائپ لائن ۔ حسب سابق مع قدرے اضافہ
آمد و رفت		10	000	
ٹیلیفون		6	000	
بنک چارج			400	مع قدرے اضافہ
آڈٹ فیس		1	500	
وفاق المدارس		1	000	
درس ریکارڈ		2	500	حسب ضرورت کیسٹ خرید اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت و خرید سیل برائے ٹیپ ریکارڈ
لاؤڈ سپیکر مرمت		3	500	برائے مرمت لاؤڈ سپیکر
سوئی گیس و فٹنگ		30	000	اس میں بلز کی ادائیگی اور حسب ضرورت نئے فٹنگ کے مصارف شامل ہیں ۔
ہنگامی صفائی		2	000	
تبلیغ مطبوعات مؤتمر		8	000	مطبوعات کے اضافہ کی وجہ سے تقسیم میں بھی اضافہ ہونا پڑے گا ۔
فرش و دری مسجد و دار الحفظ		20	000	
مرمت تعمیرات		40	000	
پلاٹ بھرائی و بنوائی	1	00	000	دار العلوم کے مغرب میں جی ٹی روڈ کے پلاٹ کی بھرائی و بنوائی
مسجد خطیب و مؤذن		3	600	
احاطہ بندی	1	50	000	احاطہ بندی دار العلوم بصورت چار دیواری
ماہنامہ الحق	1	80	000	اضافہ بوجہ مہنگائی کاغذ طباعت کتابت اور اشاعت
اخراجات اراضی طورو		3	000	ایک صاحب خیر کے طورو میں وقف کردہ زمین پر مقدمہ کے اخراجات
تجہیز و تکفین		2	000	
کرایہ مکانات			600	
تعمیر بالائی منزل دار الحفظ	3	00	000	
تعمیر دار الاقامہ [illegible] سید احمد شہید	2	50	000	
میزان	20	88	600	